Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

•جلد 14/•شمارہ 9/• اپریل/2025

معاشی مسائل اور خواتین کا کردار

عید کا جوڑا

اسلام کا روزہ

سنہرے ہاتھ

پاکستان کیا بننا تھا کیا ہو گیا!

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM TECH PARK

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

بیت السلام ٹیک پارک

فری آئی ٹی کورسز

FREE IT COURSES

WHATSAPP: **+92 333 0189367**

EMAIL: **techpark@baitussalam.org** WEBSITE: **baitussalam.org/tech-park**

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

اپریل 2025

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہُ اللہ

مدیر: قاری عبدالرحمن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

فہم و فکر

پاکستان کیا بننا تھا کیا ہو گیا! — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

عید الفطر — ناجیہ شعیب — 10
توجہ اور علم — عذرا خالد — 11
حیا کی چادر — حفصہ سلطان — 12
معاشی مسائل اور خواتین کا کردار — حفصہ فیصل — 14
مسائل پوچھیے اور سیکھیے — مفتی محمد توحید — 15
کیلا — حکیم شمیم احمد — 16
اصل سے دور ہو کر — آمنہ عبد الباسط — 18

خواتینِ اسلام

بلاعنوان — میمونہ عظیم — 20
مزدور کی عیدی — راحیلہ خان — 22
واپسی — شفق انجم — 24
سنہرے ہاتھ — محمد افضل — 26
مکالمہ — راحمین ایاز — 26
آئینہ — سلمیٰ نور — 28
وقت کا سفر — سارہ اعجاز — 30
جگنو — انس صدیقی — 31
اف یہ بل — بنت مسعود — 34

باغیچہ اطفال

عید کا جوڑا — ڈاکٹر الماس روحی — 36
لٹیرے کون — سعدیہ اجمل — 37
قبر میں روشنی — ساجدہ امیر — 35
میٹھی عید — خرم فاروق ضیا — 38
عیب تلاش نہ کر — سمیرا انور — 39

بزم ادب

یہی شانِ اخوت ہے مدد کا ہاتھ دینا ہے — حافظہ سویرا چودھری — 42
یہی زخمی بدن و سٹی نیا عنوان لکھے گا — حافظہ و سٹی چودھری — 43

اخبار السلام

اخبار السلام — ادارہ — 50

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

C-26 گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہم دین

مدیر کے قلم سے

پاکستان کیا بننا تھا کیا ہو گیا!

14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر ابھرنے والی مملکتِ اسلامیہ پاکستان اپنے قیام سے پہلے ہی دنیا کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی تھی، ہم آزادی حاصل ہونے کی خوشی میں مگن رہے اور دشمن کام کرتا رہا، چناں چہ ہم آزادی کی تحریک کے دوران اور نہ ہی اس کے بعد اپنا کل بچانے اور مستقبل بنانے پر توجہ دے سکے، لیکن جن کی آنکھوں میں ہم کھٹکا بنے تھے، انھوں نے ہماری ناکامی یقینی بنانے کے لیے ایسے ایسے جال بنے اور ایسی ایسی چالیں چلیں کہ آج 78 واں سال چل رہا ہے اور ہم ہر گرہ کھولنے کے چکر میں مزید کئی گرہیں لگا بیٹھتے ہیں۔

محض آزادی کوئی ایسی چیز نہ تھی، جس سے دنیا کو تکلیف ہوتی اور وہ خار کھاتی، انگریز کے تسلط سے تو ہندوستان بھی آزاد ہوا تھا یا یوں کہیے متحدہ ہندوستان کے ہی دو حصے کیے گئے تھے، ایک کا نام ہندوستان ہی رہا دوسرا پاکستان قرار پایا اور بھی درجنوں ممالک نے آزادی حاصل کی، لیکن چوں کہ اِس مملکت کا قیام کلمہ لاالہ الااللہ کے نفاذ پر ہوا تھا کہ :

سب کچھ اللہ کے لیے ہوگا، اللہ کے نام پہ ہوگا اور اللہ کے قانون سے ہوگا

اس لیے ایک طرف دنیا بھر کے مسلمانوں کو پاکستان سے بڑی امیدیں تھیں اور دوسری طرف دنیائے کفر کو خوف تھا کہ یہ مملکت ویسی ہی بن گئی جیسے ان کے ارادے ہیں تو یہود و ہنود کو سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملے گی، چناں چہ انھوں نے ہمیں ایسے کھیل میں الجھایا کہ آج تک ڈور کا سرا ہمارے ہاتھ نہیں آرہا۔

اِس ملک کی آزادی محض ایک ریاست کا قیام نہیں تھا، بلکہ ہمیں دنیا بھر کے مظلوموں کی ڈھارس کا سامان بننا تھا اور ان کی قیادت کرنا تھی، لیکن افسوس ! ہم نے ان کی امیدوں کا خون کر دیا، اگرچہ ان کی امیدیں آج بھی باقی ہیں لیکن :

ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

ایک طرف صورت حال ہے آزاد اور عیاشوں کی محفل ہو یا علما اور دین سے محبت کرنے والوں کی مجلس اچانک کوئی نعرہ لگا دے : پاکستان کا مطلب کیا

فلک شگاف جواب آئے گا لاالہ الااللہ

یعنی یہ نعرہ محض پاکستان کی تحریک آزادی کے لیے نہیں تھا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاکستان کے وجود کا لازمی حصہ بن گیا ہے اور زبان ہی نہیں رگ و ریشے میں رچ بس گیا ہے، لیکن دوسری طرف گویا عملاً یہ طے کر لیا گیا ہے، پاکستان میں اور سب کچھ کیا جائے گا، اسلام کا نفاذ نہیں ہوگا۔

ہم نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسی ریاست بننا تھا جس پر سب کو فخر ہو، لیکن ہم جن کا فخر و غرور بننے چلے تھے، بجائے ان کی عزت بنتے، اپنی نظروں میں بھی گر گئے۔ آئیے ! ہم چند نکات میں جائزہ لیتے ہیں کہ جس مملکت نے اسلامی دنیا کی قیادت سنبھالنا تھی، آج اس کی حالت کیا ہے۔

- ہمیں خود دار بننا تھا، عزت سے جینا تھا، لیکن ہم ہر آنے والے کے منہ سے اپنے لیے امداد کا اعلان سننا چاہتے ہیں اور ہمارا کسی بھی ملک میں جانا ہو، اس سے بھی یہ سننا چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں خالی ہاتھ نہ آنے دے۔
- ہمیں غیرت مندی کا مظاہرہ کرنا تھا، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ جو ہمیں زیادہ مارتا ہے اس کے آگے بچھتے ہیں، پتا نہیں بچھنے کا یہ جذبہ کس سے لیا ہم نے۔
- محنتی اور جفاکشی میں مثالی کردار ادا کرنا تھا، لیکن ہم سے محنت نہیں ہوتی ! سستی ہمارے اندر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی اور کمبل بن کر چمٹی ہوئی ہے۔
- اللہ تعالی کا واضح اعلان ہے کہ یہود و نصارٰی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنی عزت اور حرمت کی حفاظت کیا بچاتے، ہم تو اپنی حفاظت کے لیے ان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔
- ہمیں قناعت پسندی سے کام لینا تھا، لیکن ہم حرص و ہوس کے پجاری بن گئے۔
- ہمیں اتفاق و اتحاد کی علامت بننا تھا، لیکن ہم سیاسی بازی گری کرسی اور اقتدار کے حصول کے لیے رسہ کشی میں ایسے الجھے ہیں کہ ملک خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا ہے اور ہماری ہر جماعت اور ہر لیڈر اپنی ڈفلی اپنا راگ چھیڑے بیٹھا ہے۔
- دنیا بھر کی معیشت کو ہم نے اسلامی سانچے میں ڈھالنا تھا۔ ہم سودی نظام سے نہ صرف جان نہیں چھڑا سکے، بلکہ اس دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔
- اپنی غلطیوں، حماقتوں، قوم پرستی اور حقوق دبانے و لینے کے چکر میں ۵۳ برس پہلے اپنا ایک بازو کٹوا بیٹھے، ایسی ذلت پائی کہ کوئی مثال نہیں ملتی اور آج پھر دشمن نے ہمیں انہی خوش نما نعروں کے چکر میں الجھایا ہوا ہے، کہیں مذہب کے نام پر اور کہیں قوم پرستی کے نام پر دشمنوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں اور حکمران کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ کی عملی تصویر بنے ہوئے ہیں۔

سوچنے کا وقت تو شاید رہا نہیں، البتہ ابھی فیصلے کا وقت ضرور ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ مزید پستیوں میں گریں گے یا سبق سیکھیں گے، سوتے رہیں گے یا جاگیں گے، ڈوبنے کا سفر جاری رکھیں گے یا ڈوب کر ابھرنے والی قوم بنیں گے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ بروقت درست فیصلے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فہمِ قرآن

الانعام 58-69

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

قُلْ لَّوْ أَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهٖ لَقُضِیَ الْأَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ 58

ترجمہ: کہو کہ ”جس چیز کی تم جلدی مچارہے ہو، اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہوچکاہوتااور اللہ ظالموں کو خوب جانتاہے۔“ 58

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ
إِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ إِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ 59

ترجمہ: اوراس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتااور سمندر اور خشکی میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتا نہیں گرتا، جس کا اسے علم نہ ہواور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یاتر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو۔ 59

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیهِ لِیُقْضٰٓی أَجَلٌ
مُّسَمًّی ثُمَّ إِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ 60

ترجمہ: اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح (ایک حد تک) قبض کر لیتاہے اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے، اسے خوب جانتا ہے، پھر اس (نئے دن) میں تمہیں نئی زندگی دیتاہے، تاکہ (تمہاری عمر کی) مقرّرہ مدّت پوری ہو جائے، پھر اسی کے پاس تم کو لوٹ کر جاناہے۔ اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ 60

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓی إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ
رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ 61

ترجمہ: وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتاہے اور تمہارے لیے نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پوراپورا وصول کر لیتے ہیں اور وہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ 61

تشریح نمبر 1: نگہبان فرشتوں سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں اور وہ بھی جو ہر انسان کی جسمانی حفاظت پر مقرّر ہیں۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا إِلَی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ
الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ 62

ترجمہ: پھر ان سب کو ان کے مولائے برحق کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ یادرکھو! حکم اسی کا چلتاہے اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے۔ 62

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ
الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً لَئِنْ أَنْجٰنَا
مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ 63

ترجمہ: کہو ”خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اُس وقت کون تمہیں نجات دیتاہے، جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، (اور یہ کہتے ہو کہ) اگر اُس نے ہمیں اس مصیبت سے بچالیا تو ہم ضرور بالضرور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جائیں گے؟ 63

قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ 64

ترجمہ: کہو ”اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے بھی بچاتا ہے اور ہر دوسری تکلیف سے بھی، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔“ 64

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی أَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ
اَرْجُلِكُمْ أَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ أُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ
لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ 65

ترجمہ: کہو کہ وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتاہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (نکال دے) یا تمہیں مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بھڑادے اور ایک دوسرے کی طاقت کامزہ چکھادے۔ دیکھو! ہم کس طرح مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں واضح کر رہے ہیں، تاکہ یہ کچھ سمجھ سے کام لے لیں۔ 65

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ 66

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) تمہاری قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلایا ہے، حالاں کہ وہ بالکل حق ہے۔ تم کہہ دو کہ ”مجھ کو تمہاری ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔“ 66

تشریح نمبر 2: یعنی یہ میری ذمہ داری نہیں ہے کہ تمہارا ہر مطالبہ پورا کروں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کاایک وقت مقرّر ہے، جس میں تم لوگوں کو عذاب دینا بھی داخل ہے اور جب وہ وقت آئے گا تو تمہیں خود پتا لگ جائے گا۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ 67

ترجمہ: ہر واقعے کاایک وقت مقرر ہے اور جلد ہی تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔ 67

وَ إِذَا رَأَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَ إِمَّا
یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ 68

ترجمہ: اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو اُن سے اُس وقت تک کے لیے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ 68

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ
ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ 69

ترجمہ: ان کے کھاتے میں جو اعمال ہیں، ان کی کوئی ذمہ داری پرہیزگاروں پر عائد نہیں ہوتی۔ البتہ نصیحت کر دینا اُن کا کام ہے، شاید وہ بھی (ایسی باتوں سے) پرہیز کرنے لگیں۔ 69

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

امامت کی ترتیب

عَنْ أَبِي مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَآءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهٖ وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهٖ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماعت کی امامت وہ شخص کرے جوان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سنت و شریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو اور اگر ہجرت میں بھی دونوں برابر ہوں (یعنی سب کا زمانۂ ہجرت ایک ہی ہو) تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سن کے لحاظ سے مقدم ہو اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے حلقہ سیادت و حکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اس کے گھر میں اس کے بیٹھنے کی خاص جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کے لفظ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو یہاں کیا گیا ہے۔ یعنی "کتاب اللہ کا زیادہ پڑھنے والا" لیکن اس کا مطلب نہ تو صرف حفظِ قرآن ہے اور نہ مجرد کثرتِ تلاوت، بلکہ اس سے مراد ہے حفظِ قرآن کے ساتھ اُس کا خاص علم اور اُس کے ساتھ خاص شغف۔ عہدِ نبوی ﷺ میں جو لوگ قرّا کہلاتے تھے، ان کا یہی امتیاز تھا۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز کی امامت کے لیے زیادہ اہل اور موزوں وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کے علم اور اس کے ساتھ شغف و تعلق میں دوسروں پر فائق ہو اور ظاہر ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں یہی سب سے بڑا دینی امتیاز اور فضیلت کا معیار تھا اور جس کا اس سعادت میں جس قدر زیادہ حصہ تھا، وہ اسی قدر رسول اللہ ﷺ کی خاص وراثت وامانت کا حامل اور امین تھا۔ اس کے بعد سنت و شریعت کا علم فضیلت کا دوسرا معیار تھا (اور یہ دونوں علم یعنی علمِ قرآن اور علمِ سنت جس کے پاس بھی تھے، عمل کے ساتھ تھے۔ علم بلا عمل کا وہاں وجود ہی نہیں تھا) فضیلت کا تیسرا معیار عہدِ نبوت کے اس خاص ماحول میں ہجرت میں سابقیت تھی، اس لیے اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اس کا ذکر فرمایا گیا ہے، لیکن بعد میں یہ چیز باقی نہیں رہی، اس لیے فقہائے کرام نے اس کی جگہ صلاح و تقویٰ میں فضیلت و فوقیت کو ترجیح کا تیسرا معیار قرار دیا ہے جو بالکل بجا ہے۔ ترجیح کا چوتھا معیار اس حدیث میں عمر میں بزرگی کو قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تین معیاروں کے لحاظ سے کوئی فائق اور قابلِ ترجیح نہ ہو تو پھر جو کوئی عمر میں بڑا اور بزرگ ہو وہ امامت کرے۔

صدقے کے خواص وبرکات

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتُدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: جس طرح دنیا کی مادّی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے بُرے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہوتے ہیں، جو انبیا علیہم السّلام کے ذریعے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقے کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بُری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہو جاتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے، جس کو دنیا میں بُری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم!

صدقۂ فطر

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزوں کو فضول ولایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لیے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے صدقۂ فطر واجب قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث میں صدقۂ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرّت کے اس دن میں صدقۂ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا اور دوسرے یہ کہ زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے روزے پر جو بُرے اثرات پڑے ہوں گے، یہ صدقۂ فطر ان کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

Get your Eid preps blooming!
Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
BLOOM
LA PERFUME
DRY 300 ml
Perfect
FRESHENER
ProudlyMadeInPakistan

اسلام کا روزہ

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللہ

رمضان مکمل ہونے کے بعد بھی ایک روزہ باقی رہتا ہے، جس کا آغاز بلوغت سے ہوتا اور اس کی نیت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه ہے، جب یہ نیت کرلی تو اب یہ ہر جگہ منہ نہیں مار سکتا، اب یہ جانوروں کی طرح ہر کھیت میں نہیں منہ مار سکتا۔ اب اسے پتا ہے کہاں کھانا ہے اور کہاں نہیں کھانا! کیا پینا ہے اور کیا نہیں پینا! کیا پہننا ہے اور کیا نہیں پہننا! صبح کا آغاز کیسے کرنا ہے شام کا آغاز کیسے کرنا ہے۔ ہر تجارت نہیں کرنی، ہر کاروبار نہیں کرنا، روزے سے ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ میرے اس روزے میں کون سی تجارت حلال ہے، کون سی زراعت حلال ہے، کون سا کاروبار حلال ہے۔ کیسی شادی کرنا حلال ہے، کیسی صبح کرنا جائز ہے۔ اس کی رات کیسی ہے، اُس کا دن کیسا ہے۔ اس لیے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه کی صورت میں اس نے روزہ رکھ لیا اور دراصل اسی روزے کے صدقے مسلمانوں کو رمضان کے روزے ملے ہیں اور اُس روزے کا اختتام کب ہوگا؟ جب اس کی روح نکلے گی اور اس کی افطاری کہاں ہوگی؟ سبحان اللہ! حوضِ کوثر پہ حضور ﷺ کے ہاتھوں سے حوضِ کوثر کا پانی پی رہا ہوگا۔

جس طرح رمضان کے روزے میں پیاس کی شدّت ہے، گرمی ہے اور کمرے میں ہے، فرج بھی ہے اور پانی بھی میسّر ہے، قانون کی رسائی نہیں اور انسان کی نظروں کی بھی رسائی نہیں، لیکن یہ پانی نہیں پی رہا! اگر اسلام کے روزے کی بھی یہ کیفیت آجائے کہ خلوت ہے، تنہائی ہے، بازار ہے، کاروبار ہے، لاکھوں کروڑوں کی بات ہے، لیکن حرام ہے! قانون کی رسائی نہیں، لوگوں کی نظریں نہیں، لیکن اس کا لحاظ ہو کہ میں اسلام کے روزے میں ہوں، قدم ہٹالے، ہاتھ کھینچ لے، نظریں بچالے، زبان روک لے، کان محفوظ کرلے، نظروں کو جھکالے، حرام نہ آنے دے، اسلام کے روزے میں یہ تازگی آجائے! خوش نصیب مسلمان ہے، جس نے رمضان کے روزے کی کمائی کرلی۔ یہ وہ خوش نصیب مسلمان ہے، جس نے رمضان کی برکتیں سمیٹ لیں۔ اس لیے کہ اس کے اسلام کے روزے میں تازگی آگئی اور یہ پہلے کا سا نہ رہا، جسے کہیں کہ بے جان مسلمان نہ رہا، اس کے دل میں زندگی آگئی۔ اس کے اسلام میں جان آگئی۔ اسے احساس ہوگیا کہ میں اسلام کے روزے میں ہوں، میں تمام کی انسانوں کی طرح نہیں، عام لوگوں کی طرح نہیں، بلکہ یوں کہیے، قرآن کہتا ہے أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ جانوروں کی طرح نہیں! جو مرضی کھالیا، جو مرضی پہن لیا، جو مرضی کرلیا۔

رمضان سے پہلے بھی یہ مسلمان کہلاتا تھا، لیکن اس کے اسلام کے روزے میں جان نہیں تھی۔ فجر نہیں پڑھا کرتا تھا، اسے حلال حرام کی تمیز کوئی نہیں تھی، اس کے گھر میں گناہ پلا کرتے تھے۔ یہ اللہ کی نعمتوں میں رہ کر اللہ کی نافرمانی کرنا فخر سمجھا کرتا تھا، خوش نصیب ہوگیا! نصیب جاگ گئے اسے رمضان مل گیا، رحمت برس رہی تھی۔ اس نے جھولی پھیلائی۔ خوب رحمتیں سمیٹیں ایمان میں تازگی آئی، مولا کے سامنے ندامت کے آنسو بہائے ہیں۔ رحمت کا، مغفرت کا مستحق بنا ہے اور اسے آج ایمان کی تازگی، اسلام کے روزے کی تازگی نصیب ہوگئی۔ اب اس کی وہ زندگی نہیں ہے، جو رمضان سے پہلے تھی۔ اب اس کے اسلام کے درخت میں بہار آگئی، تازگی آگئی، پہچانا جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: جسے صبح صبح اللہ کے گھر میں آتا دیکھو اور رات کو اندھیروں میں اللہ کے گھر میں آتا جاتا دیکھو تو اس کے ایمان، اسلام کی گواہی دو۔ اب اس کی زندگی میں بہار آئی ہے۔ اب ایسا نہیں ہے کہ اللہ کا منادی آواز دے اور یہ بازار میں بیٹھا رہے، دفتر میں بیٹھا رہے، بستروں میں لیٹا رہے، نہ نہ! اب اس کے اسلام میں تازگی ہے۔ اللہ کے اُس منادی کی آواز پہ لبیک کہتا ہے: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اب اس کا ایمان کہتا ہے یہ بلاوا تیرے لیے ہے، یہ منادی تجھے بلا رہا ہے، یہ منادی تجھے پکار رہا ہے، پھر اس کے ایمان میں تازگی ہے۔ حرام نہیں کھاتا حرام سے توبہ ہوگئی۔ اب میرے گھر میں حرام نہیں آئے گا، میں اسلام کے روزے میں ہوں۔ حرام تو یہودی کھاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: حرام تو عیسائی کھاتا ہے، حرام تو ہندو اور کافر کھاتا ہے، مسلمان کیوں حرام کھائے؟ مسلمان تو پاکیزہ کھاتا ہے، صاف ستھرا کھاتا ہے۔ سود تو یہودی لیتے ہیں، رشوت تو یہودی لیا کرتے ہیں۔ یہ برائیاں میرے مسلمانوں میں تھیں، لیکن رمضان میں اس کے دل کی دنیا پاکیزہ ہوگئی۔ ان گندگیوں سے پاک ہوگیا، نحوستوں سے اپنی زندگی کو پاک کرلیا، یہ زندگیاں مسلمانوں میں نہیں رہیں، ایمان کی بہار آگئی۔

رمضان کے روزے الحمد اللہ! ایمان کے ساتھ، عافیت کے ساتھ، صحت کے ساتھ، نیکیوں کے ساتھ

اہلِ ایمان کو ملے۔ روزہ باقی ہے اور بڑا روزہ ہے، لیکن اس بڑے روزے میں آسانیاں بہت ہیں۔ چھوٹے روزے میں تو کہا تھا تم نے حلال بھی نہیں کھانا۔ تم نے بڑی محنت سے حلال کمایا ہے، بڑی مشقت سے حلال کمایا ہے، لیکن روزے میں ہو حلال بھی نہیں کھانا۔ ازدواجی رشتہ حلال ہے، اس رشتے میں اللہ نے محبت کی مٹھاس رکھی ہے حلال ہے، مگر روزے میں یہ بھی نہیں کرنا، لیکن یہ بڑا روزہ ہے اسلام کا! فرمایا: حلال استعمال کر سکتے ہو، بس صرف حرام سے بچ جاؤ۔ حلال کھا بھی سکتے ہو، حلال پی بھی سکتے ہو، حلال پہن بھی سکتے ہو، حلال رشتوں کا لحاظ بھی ہے، حلال رشتوں کی محبتیں بھی ہیں، حلال رشتوں کی الفت بھی ہے، یہ تمہاری فطرت ہے، یہ تمہاری ضرورت ہے، یہ سب حلال ہے۔ ہاں! بس ایک اس روزے کا تقاضا ہے کہ حرام سے بچ جاؤ۔ اسلام کا روزہ آسان ہو گیا، اس میں تو مشق کرائی اس میں تو تربیت کروائی، اس میں تو علاج کروایا، جیسے معالج، طبیب بہت ساری جائز چیزیں حلال چیزیں بھی منع کر دیتا ہے۔ معالج بہت ساری حلال چیزوں سے بھی روک دیتا ہے۔ میاں! بیماری ہے، اس سے پرہیز کرنا ہو گا، حلال سے بھی دور رہنا ہو گا۔ معالج طبیب حلال سے بھی منع کر دیتا ہے۔

رمضان تو روحانیت کی تربیت گاہ تھی، وہاں تو علاج تھا، وہاں تو تربیت تھی، وہاں تو اس بات کا لحاظ تھا کہ اس کی روحانیت میں صحت مل جائے، اب کیا کہا حلال کھانا ہے۔ رمضان کے علاوہ صرف کہا کہ حرام سے بچنا، حرام سے احتیاط کرنی ہے۔

اسلام کے روزے سے متعلق چند چیزیں عرض کر دیتا ہوں، جس سے اسلام کے روزے کی حفاظت آسان ہو گی۔

پہلی چیز اپنا تعلق اللہ کے گھر سے جوڑ دو۔ نمازوں کا اہتمام مساجد میں کرو اور فرض نماز کا اہتمام ہر حال میں ہو۔ سفر میں، حضر میں، دفتر میں، فیکٹری میں، یونیورسٹی میں، کالج میں فرض نمازوں کا اہتمام ہر حال میں اور جس قدر ہو سکے جماعت اور نماز ہو۔ اللہ کے نبی ﷺ امام الانبیا ہیں، سید الانبیا ہیں، ساری امت کی ذمے داریاں آپ پر ہیں، لیکن ساری زندگی آپ کی نماز مسجد میں ہوئی اور ناراضی کا اظہار کیا ان مسلمانوں سے، جو گھروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ غصے کا اظہار کیا، جی چاہتا ہے نمازیوں کو نماز کے لیے کھڑا کر دوں اور لکڑیاں نوجوانوں سے اکٹھی کروا کے ان گھروں کو خاکستر کر دوں، جو میری اس سنّت کو چھوڑتے ہیں، اللہ کے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں، گھروں میں اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ ناراضی کا غصہ کا اظہار کیا۔۔۔ تو نماز کا اہتمام مسجد میں! یہ تو نماز پڑھنے والوں پر غصے کا اظہار کیا اور جو نماز نہیں پڑھنے والے اس زمانے میں تو اس کا تصوّر ہی نہیں تھا۔ قرآن تو کہتا ہے، جہنم کافروں کے لیے ہے مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ تم کیوں جہنم میں پڑے ہو مسلمانو! فرمایا: نماز نہیں پڑھتے تو جب کافروں کی زندگی ہو گی تو پھر جہنم میں جائے گا نا، کافر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مسلمان کا تو تصوّر ہی نہ تھا کہ مسلمان نماز نہ پڑھے۔ مرد عورت بچے جوان نمازی ہوا کرتے تھے۔

دوسری چیز روزانہ اپنی زندگی میں تھوڑا سا وظیفہ بناؤ۔ قرآن کی تلاوت روزانہ، قرآن کی تلاوت کا معمول بناؤ، چاہے ایک صفحہ ہو جائے، چاہے دو صفحے ہو جائیں، چاہے چند صفحے ہو جائیں، روزانہ قرآن کی تلاوت کریں۔ مرد عورت قرآن کی تلاوت کریں۔ قرآن اللہ کے اندر سے نکلا ہوا نور ہے۔ سچے نبی ﷺ نے فرمایا: اس سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، اجڑے ہوئے دلوں میں زندگی آتی ہے۔ اس سے مرے ہوئے دلوں میں زندگی آتی ہے، زنگ آلود دلوں میں تازگی اور صفائی آتی ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! دل بڑا سخت ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک اپنا دنیا سے جانے کا خیال رکھا کرو اور دوسرا قرآن کی تلاوت کیا کرو۔ قرآن کی تلاوت سے دلوں میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ دن بھر میں کوتاہی ہوئی، تلاوت کا معمول رہا، ان شاء اللہ دل صاف رہے گا! طبیعت میں نیکیوں کی طرف میلان آئے گا! طبیعت میں نیکوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اس کا میلان رہے گا۔ دو چیزیں ہو گئیں۔

تیسری چیز کوشش کرو ایسی زندگی گزارو میری ذات سے، میرے رویے سے، میرے طرزِ عمل سے، میری زبان سے کسی کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی اور تکلیف نہ ہو۔ تکلیف کا باعث نہ بنو اپنی ذات سے، کوشش کرو میں دوسروں کے لیے تکلیف کا ایذا کا باعث نہ بنوں، یہ کم از کم درجہ کا اخلاق ہے، پھر آگے ظلم ہے، جو بھی ہمارے ساتھی مسجد میں آتے ہیں، صفوں کو پھلانگتے ہوئے آتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے ایسے شخص کو سخت ناپسند فرمایا۔ بیت اللہ کا طواف، حجرِ اسود کا احترام کرنا ایسا ہے، جیسے بیت اللہ میں اللہ کو مصافحہ کرنا، حجر اسود کو بوسہ دینا، لیکن فرمایا کہ مسلمانوں کو تکلیف ہو رہی ہے، استلام کرو۔ زندگی ایسی بناؤ گاڑیاں باہر کھڑی کرتے ہیں، کسی نمازی کو تکلیف نہ ہو۔ مسجد میں آتے وہاں نفل نہ پڑھو، جہاں گزرنے کا راستہ ہو۔ دیر سے آئے ہیں، جہاں جگہ ملتی ہے وہیں بیٹھ جاؤ، اس لیے کہ مسلمان کی زندگی ایسی ہوتی ہے۔ وہ اس کی عبادت میں کسی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے، زندگی ایسی بناؤ! کاروبار، معاملات، معاشرت، گھر کی زندگی، میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ کم از کم درجے کا اخلاق یہ ہے کہ میری زندگی سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ نماز بڑھیا، قرآن کی تلاوت کا معمول، کم سے کم درجہ ظلم کہ میری ذات سے زیادتی نہ ہو اور آخری درجہ یہ کہ رات کو سونے سے پہلے دن بھر میں جو کمی کوتاہی رہ جائے، اس سے سچی توبہ، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینی چاہیے۔

شیطان کہتا ہے کہ یہ توبہ کیسی توبہ ہے، یہ معافی بھی کیسی معافی تو کل پھر غلطی کرے گا، اس کے اس خیال کو نظرانداز کر دیں۔ وہ آپ کو بڑی عبادت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ آپ کو اللہ کا ولی بننے سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کے قریب ہونے سے آپ کو محروم کرنا چاہتا ہے، اس کے خیال کو جھڑک دیں اور توبہ ضرور کریں، معافی ضرور مانگیں۔ ان شاء اللہ! اس پاکیزگی کی برکت سے اسلام میں ہر آئے دن بہار آتی چلی جائے گی اور یہ معمول میرے گھر کی عورتوں میں ہو، یہی میرے بچے بچیوں میں ہو تو اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اسلام کے روزے کے اندر بھی اللہ ہمیں کامیابی نصیب فرما دے گا اور اس کے اندر بھی ہم سرخرو ہوں گے۔۔۔ پھر اللہ کے حضور جا کر افطاری کریں گے۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں سے کوثر کا جام نوش فرمائیں گے اور اللہ کریم خاص مہربانی کریں گے وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا آپ کے گھر کا مہمان آتا ہے تو آپ خادم سے کہتے ہیں کہ اسے پلا دو، کوئی خاص مہمان آتا ہے تو آپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں اور اگر اس سے بڑا مہمان ہو تو ہم خود کھڑے ہو کے اسے پلا رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کہتا ہے وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا کچھ میرے مہمان ایسے آئیں گے، جنہیں رب خود پلا رہا ہو گا، جنہیں ربِّ کریم خود شرابِ طہور پلا رہے ہوں گے۔۔۔ اللہ ربُّ العزّت ہمیں عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

عید الفطر: اہمیت و حکمت

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب

سال میں مسلمانوں کے دو بڑے تہوار عید الفطر اور عید الاضحیٰ آتے ہیں، جنھیں نہایت جوش و خروش اور اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ سارا سال بچوں، بڑوں کو اس تہوار کا شدّت سے انتظار رہتا ہے۔ پوری دنیا بھر کے مسلمان ماہِ صیام کے بعد عید الفطر مناتے ہیں کہ یہ عید روزوں کا انعام تصوّر کی جاتی ہے۔ عید ویسے بھی خوشیاں اور مسرّتیں بانٹنے کا دن ہے، اس دن ایک دوسرے سے ملتے ملاتے ہیں، تمام رنجشیں، کدورتیں اور اختلافات کو بھلا کر ایک دوسرے کو خوشی سے گلے لگاتے ہیں۔

نبیٔ رحمت مبشر و بشیر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ماہِ رمضان المبارک کے متعلّق ارشاد فرمایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اِس مہینے کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا عشرہ جہنّم سے آزادی کا ہے۔

اب چوں کہ رمضان المبارک رحمت و مغفرت اور جہنّم سے آزادی کا مہینا ہے، لہٰذا اِس رحمتوں اور برکتوں بھرے مہینے کے فوراً بعد ہمیں عیدِ سعید کی خوشی منانے کا موقع فراہم کیا گیا ہے اور عید الفطر کے دن خوشی کا اِظہار مستحب ہے۔

عِید الفطر کا دن اس قدر اہم ترین دن ہے کہ اِس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت خوب جوش پر ہوتی ہے، اس غنی داتا کے دربار سے کوئی سائل مایوس نہیں لوٹایا جاتا۔ ایک طرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے نیک بندے اپنے ربّ العالمین کی بے پایاں رحمتوں اور بخششوں پر خوشیاں منا رہے ہوتے ہیں تو دُوسری جانب مؤمنوں پر رحمٰن کی اِتنی کرم نوازیاں دیکھ کر انسان کا بدترین دشمن شیطان، ابلیس ملعون آگ بگولہ ہو جاتا ہے، چوں کہ شیطان لعین پر عید کا دن نہایت گراں گزرتا ہے، لہٰذا وہ اپنے چیلوں کو حکم صادِر کر دیتا ہے کہ تم مسلمانوں کو لذّاتِ نفسانی میں مشغول کر دو!

فی زمانہ شیطان لعین اپنے اِس کاری وار میں کام یاب نظر آتا دِکھائی دے رہا ہے۔ مسلمانوں کو عید کی آمد پر عبادات و حسنات کی کثرت و بہتات کر کے ربّ العالمین کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے، مگر افسوس! ہم میں سے اکثر مسلمان عیدِ سعید کا حقیقی مقصد اس کی حکمت و اہمیت یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اب تو عید منانے کا یہ انداز ہو گیا ہے کہ بے ہودہ نقش و نگار سے مزیّن بھڑکیلے چمکیلے اور نیم برہنہ لباس زیب تن کیے جاتے ہیں۔ بچوں کو جان دار کی تصاویر والے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔

رقص وسُرور کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ گھروں، بازاروں اور باقاعدہ میلوں ٹھیلوں پر لہو ولعب کھیل، ناچ گانوں اور فلموں ڈراموں کا اہتمام کیا جاتا ہے، جہاں جی کھول کر وقت و دولت دونوں کو خلافِ سُنّت و شریعت افعال میں برباد کیا جاتا ہے۔ دیکھیے تو عید جیسے مبارک دن کو کس قدر غلط کاموں میں گزارا جانے لگا ہے۔ ان خلافِ شرع باتوں کے سبب ہو سکتا ہے کہ یہ عیدِ سعید ناشکروں کے لیے یومِ وَعید بن جائے۔ فیشن پرستی، اِسراف (فضُول خرچی)، دِکھاوا، مقابلے کی دوڑ، گویا لوگ صرف نئے نئے کپڑے پہننے، عمدہ کھانے تناول کرنے، سیر و تفریح، من موجی کرنے کو عید سمجھ بیٹھے ہیں۔ یاد رہے! عید اُس کی نہیں جس نے نئے کپڑے پہن لیے، عید تو اُس کی ہے جو عذابِ الٰہی سے ڈر کر سنبھل گیا۔ گناہوں سے توبہ کر کے سدھر گیا۔

ماہِ رمضان المبارک کے بعد عید الفطر انعام حاصل کرنے اور رحمتِ الٰہی کا نظارہ کرنے کا دن ہے کہ الحمد للہ بحیثیتِ مسلمان ہم نے ماہِ رمضان، جو صوم و صلاۃ کا مہینہ تھا، خیر و عافیت سے گزار دیا۔ زہے نصیب کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے دعا و مناجات، ذکر و عبادت کے ساتھ ہم لوگوں کو روزے کی ادائیگی اور اپنے سامنے توسّل اور خضوع و خشوع کی توفیق عطا فرمائی۔ آج وہ دن ہے جب اللہ عزّ و جل ہم لوگوں کو جزا عنایت کرے گا، ان شاء اللہ! یقیناً اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی جزا یہ ہو گی کہ وہ ہم سب کو اس بات کی توفیق عطا کرے کہ ہم اگلے ماہِ رمضان تک رحمتِ الٰہی کے وسیلے کو اپنے لیے محفوظ رکھ سکیں۔ رمضان المبارک کے درس پر پورے سال کاربند رہیں۔ ہمیں ہر لحظہ اللہ تعالیٰ سے رحمت، رضا، دعا اور اعمال کی قبولیت، عفو اور عافیت کی دعا کرنی چاہیے کہ درحقیقت یہی حقیقی عید ہو گی۔

عیدِ سعید کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک معنوی اور بین الاقوامی تقریب ہے۔ نئے ملبوسات پہننے کا رواج عید کا اہم ترین کلچر ہے۔

تمام مسلمانوں کی عید، دینِ اسلام اور نبیِ آخر الزمان ﷺ کے لیے باعثِ شرف، اسلام کا وقار اور پوری تاریخ میں کبھی نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ہے۔ مسلمان قوم کو اس ذخیرے کی ضرورت ہے۔ اس ذخیرے میں سے مسلمانوں کو دو چیزوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے، اوّل باہمی اتحاد و قربت اور دوسرے عالمِ اسلام میں معنویت پر توجہ۔

عید الفطر کا دن، طہارت و پاکیزگی کا دن ہے۔ ممکن ہے کہ یہ پاکیزگی اس وجہ سے ہو کہ آپ نے ایک مہینے تک باقاعدگی سے روزے رکھے ہیں، ظاہر و باطن کی صفائی ستھرائی کی بھرپور کوششیں کی ہیں اور اپنے آپ کو برائیوں سے پاک کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اس وجہ سے بھی ہو کہ اُس دن میدانِ عبادت میں حاضر ہو کر آپ نے اجتماعی عبادت میں حصہ لیا ہے، بہر حال بات یہ ہے کہ مسلمان ماہِ رمضان کے بعد عید الفطر کے دن طہارت اور تزکیے کے میدان میں ہوتا ہے۔

عید الفطر کا دن وہ دن ہے، جب مسلمان ماہِ رمضان المبارک کے اہم تعمیری اور تربیتی امتحان سے گزر کر گویا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں حساب کتاب کے لیے بیٹھتے ہیں اور اپنے ماہِ رمضان کے اعمال کو اپنے خالقِ حقیقی کے حضور پیش کرتے ہیں۔

عید الفطر کی مبارک باد، ماہِ مبارک رمضان کو کام یابی سے گزارنے کی تہنیت کے معنی میں ہے۔

عید الفطر دنیا کے ایک ارب مسلمان آبادی کے جشن وسُرور کا دن ہے۔

عید الفطر کا دن، عبادت کی عید ہے، مغفرت کی عید ہے، اس مؤمن مسلمان کے لیے ریاضت اور جد و جہد کے ایک مختصر وقفے کے خاتمے کی عید ہے کہ جو اپنی اس ریاضت اور جد و جہد سے، تہذیبِ نفس اور اپنے اندر نیک جذبات اور محرکات کی تعمیر و تقویت کے لیے استفادہ کرنا چاہتا ہے اور سال بھر اور پوری عمر اس سے فائدہ اٹھانے کا خواہشمند ہے۔

توجہ اور علم

عذرا خالد

توجہ ایک نفسیاتی عمل ہے، جو کسی خاص چیز، شخص یا کام پر ذہنی توجہ کو شامل کرتا ہے۔ یہ ہمارے ذہن کی ایک خاص صلاحیت ہے جو ہمیں اپنے اِرد گرد کی دنیا سے متعلّق معلومات جمع کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

علم لاپروائی سے حاصل نہیں ہو سکتا، علم حاصل کرنے کے لیے توجہ دینا ضروری ہے۔ حقیقی علم کے حصول کے لیے فعال ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ فعال ذہن کو استعمال کرنا ہے، علم پہلے سے کہیں زیادہ قابلِ رسائی ہو گیا ہے۔ چند کلکس سے ہم معلومات کی وسیع لائبریریوں، آن لائن کورس، لیکچر اور مضامین تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

لیکن صرف رسائی ہی کافی نہیں ہے۔ معلومات کو صرف اسی وقت علم میں تبدیل کر سکتے ہیں، جب ہم توجہ (ذہنی اور فکری کوشش) کریں۔ سیکھنا ایک فعّال عمل ہے۔ اس کے لیے توجہ، تجسّس اور تنقیدی سوچ کی ضرورت ہوتی ہے۔

توجہ مختلف حقائق کو بامعنٰی بصیرت سے جوڑنے کے لیے ادا قیمت ہے۔ توجہ دینا صرف سننا یا غور سے پڑھنا نہیں، اس کے لیے سوالات پوچھنا، مفروضوں کو چیلنج کرنا اور اس موضوع پر گہرائی سے غور کرنا، جب تک اسے صحیح معنوں میں سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔

فین مین تکنیک (فلاسفر فین مین کے نام پر) تدریسی تکنیکوں میں سے ایک ہے۔ یہ پیچیدہ خیالات کو آسان بنانے کے کام آتی ہے۔ اس طریقے کو ایک نوآموز بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہ طریقہ اس یقین پر مبنی ہے کہ حقیقی تفہیم یادداشت سے نہیں توجہ اور وضاحت سے آتی ہے۔

◆ لاپروائی توجہ نہ دینے کی ایک بڑی قیمت ہے۔ سوشل میڈیا کے استعمال سے، اطلاعات کی مسلسل گونج پیدا کرنے سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ نتیجے میں ہم معلومات کی بنیاد کو جذب کیے بغیر انھیں فیصلوں میں استعمال کرنے کی غلط کوشش کرتے ہیں۔

◆ جب ہم توجہ دیتے ہیں تو ہم سیکھنے کے عمل میں سرگرم ہو جاتے ہیں اور اس شعوری مشغولیت میں جو کچھ ہم سیکھتے ہیں وہ دیرپا علم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

◆ توجہ کی بصیرت کا اطلاق زندگی کے بہت سے دیگر (تعلیم کے علاوہ) شعبوں پر بھی ہوتا ہے۔ توجہ کا یہ اطلاق ہمارے تعلّقات، کام یا ذاتی ترقی میں بھی ہو سکتا ہے۔

◆ توجہ سب سے قیمتی وسیلہ ہے۔ جب ہم توجہ دیتے ہیں تو ہم باریکیوں کو دیکھ پاتے ہیں، سمجھ کی گہرائی پا سکتے ہیں اور تجربات کو تقویت ملتی ہے۔

◆ علم مفت میں دستیاب شے نہیں، اسے حاصل کرنے کے لیے توانائی اور توجہ صرف کرنی ہوتی ہے۔ توجہ دینے کا یہ عمل معلومات کو حکمت میں تبدیل کرنے کا سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔

توجہ کی اقسام

منتخب توجہ: ہم اپنی توجہ کو کسی خاص چیز یا کام پر مرکوز کر کے دوسری چیزوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ جب ہم کتاب پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہم اپنی توجہ کتاب پر مرکوز کرتے ہیں اور ارد گرد کی آوازوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جزوی توجہ: ایک ہی وقت میں دو یا زیادہ کاموں پر توجہ دیتے ہیں۔ اس کی مثال ٹی وی دیکھتے ہوئے کھانا کھانا ہے۔

مستقل توجہ: ایک ہی کام پر طویل عرصے تک توجہ مرکوز رکھنا۔ مشکل مسئلہ حل کرتے ہوئے توجہ متاثر کرنے والے ہر عامل پر ہوتی ہے۔

توجہ کی مقدار کن چیزوں پر منحصر ہے

عمر: بچے بڑوں کے مقابلے میں توجہ کم وقت مرکوز کر سکتے ہیں۔

دل چسپی: جس کام میں زیادہ دل چسپی ہو گی، ہم اس پر زیادہ توجہ مرکوز کر سکتے ہیں۔

تھکاوٹ: ہمارا تھکا ہوا ذہن توجہ مرکوز کرنے میں مشکل کا شکار ہوتا ہے۔

دواؤں کا استعمال: بعض دواؤں کا استعمال توجہ کو متاثر کر سکتا ہے۔

موبائل فون اور سوشل میڈیا کا استعمال: موبائل فون اور سوشل میڈیا سے توجہ تقسیم ہوتی ہے۔

توجہ کا استعمال

سیکھنا: توجہ سیکھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

فیصلے لینا: اچھے فیصلے لینے کے لیے توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

تعلّقات بنانا: دوسروں کے ساتھ اچھے تعلّقات قائم کرنے کے لیے توجہ دینا ضروری ہے۔

بہتر کارکردگی: کام کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

توجہ کو بہتر بنانے کے طریقے

ایک وقت میں ایک کام پر توجہ دیں۔

موبائل فون اور سوشل میڈیا کا استعمال کم کریں۔

آرام کریں   صحیح غذا لیں

ورزش کریں   دھیان کریں

توجہ کی کمی کے بہت سے نقصانات ہیں۔ یہ سیکھنے، فیصلے لینے میں مشکلات پیدا کرتی ہے۔ تعلّقات بنانے میں دشواری ہوتی ہے۔ خراب کارکردگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام خرابیاں انسان میں اضطراب اور ڈپریشن پیدا کرتی ہیں۔ اس لیے توجہ اور علم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم ہیں۔

حیا کی چادر
عورت کی اصل آزادی

حفصہ سلطان

آزادی یا جال؟

کبھی سوچا ہے کہ چمکنے والے موتی کو سیپ میں کیوں چھپایا جاتا ہے؟ یا قیمتی ہیرے کو مخمل میں کیوں لپیٹا جاتا ہے؟ شاید اس لیے کہ جو چیز نایاب ہو، اسے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح، اسلام نے عورت کی عزت و عظمت کو محفوظ رکھنے کے لیے پردے کا حکم دیا جو محض ایک لباس نہیں بلکہ حیا، وقار اور خودداری کی علامت ہے۔

آج کے دور میں، جہاں بے حجابی کو ترقی اور آزادی کی نشانی سمجھا جا رہا ہے، کیا واقعی یہ عورت کی حقیقی آزادی ہے؟ یا یہ ایک ایسا جال ہے جو اس کی نسوانیت کو ایک تجارتی شے بنا چکا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ (گھر سے باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر لے لیا کریں، یہ زیادہ مناسب ہے، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (الاحزاب: 59)

پردہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ہے جو معاشرتی پاکیزگی، عزت و احترام اور فطری حیا کو فروغ دیتا ہے۔ یہ محض ایک لباس کا حکم نہیں بلکہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے، جو مرد و عورت دونوں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔

پردے کی اسلامی حیثیت:

اسلام میں پردے کا تصوّر مرد و عورت دونوں کے لیے موجود ہے، تاہم خواتین کے لیے اس کا حکم زیادہ تفصیل سے دیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو اور اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں۔“ (النور: 31)

اسی طرح مردوں کو بھی نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے:

”مومن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔“ (النور: 30)

پردہ محض چہرے یا جسم کو ڈھانپنے تک محدود نہیں بلکہ نظریں، گفتگو، لباس اور رویّے میں پاکیزگی اختیار کرنا بھی اس کا حصہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔“ (صحیح بخاری و مسلم)

جدید دور میں پردے کی اہمیت:

آج کے معاشرے میں بے حجابی کو ترقی اور آزادی کی علامت بنا دیا گیا ہے، حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

1۔ عورت کا تحفّظ:

بے پردگی اور غیر محتاط رویّے کی وجہ سے خواتین کو ہراسانی، استحصال اور جسمانی خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پردہ ایک حفاظتی ڈھال ہے جو خواتین کو عزّت اور وقار عطا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”عورت (کی اصل زینت) پردہ میں ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے (لوگوں کے لیے) خوش نما بنا کر پیش کرتا ہے۔“ (سنن ترمذی)

2۔ اخلاقی بے راہ روی سے بچاؤ:

سوشل میڈیا، فلموں اور ماڈرن فیشن کے نام پر خواتین کو اشتہار کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے، جس سے اخلاقی زوال پیدا ہو رہا ہے۔ پردہ ایک ایسی دیوار ہے جو اس فتنے کو روکنے میں مدد دیتا ہے۔

3۔ خاندانی نظام کی بقا:

اسلام نے عورت کو عزت دی ہے اور اسے محض جسمانی حسن کی بنیاد پر پرکھنے کی بجائے اس کے کردار اور تقویٰ کو معیار بنایا ہے۔ پردہ خاندانی نظام کی بنیاد کو مضبوط کرتا ہے اور بے راہ روی سے روکتا ہے۔

4۔ اسلامی تشخص کا تحفّظ:

مغربی دنیا میں اسلاموفوبیا کے باوجود پردہ کرنے والی خواتین اپنی شناخت کو قائم رکھتی ہیں۔ وہ اس بات کی علامت ہیں کہ ایک مسلمان عورت اپنی اقدار پر سمجھوتہ کیے بغیر بھی معاشرتی ترقی میں کردار ادا کر سکتی ہے۔

پردہ محض ایک ظاہری لباس نہیں، بلکہ حیا، پاکیزگی اور عزت کی علامت ہے۔ یہ عورت کو نہ صرف فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ اسے وہ مقام اور وقار بھی عطا کرتا ہے جو اسلام نے اسے دیا ہے۔ آج کے دور میں، جب مغربی تہذیب بے حجابی کو آزادی کے طور پر پیش کر رہی ہے، درحقیقت یہی بے پردگی عورت کو معاشرتی استحصال اور عزت کی پامالی کی طرف دھکیل رہی ہے۔

ایک مسلمان عورت کی حقیقی آزادی اسی میں ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو اپنائے اور اسلامی تشخص کو برقرار رکھے۔ جب ایک عورت پردہ اختیار کرتی ہے تو وہ درحقیقت اپنی عظمت، عزّت اور خودداری کا اعلان کرتی ہے۔ یہ نہ صرف اس کی حفاظت کا ذریعہ ہے بلکہ ایک مضبوط اور پاکیزہ معاشرے کی بنیاد بھی رکھتا ہے۔

پس، ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو سمجھیں اور پردے کو بوجھ کے بجائے اللہ کی رحمت اور عورت کی عزّت و تکریم کے طور پر قبول کریں، کیوں کہ جو چیز قیمتی ہوتی ہے، وہ ہمیشہ محفوظ رکھی جاتی ہے!

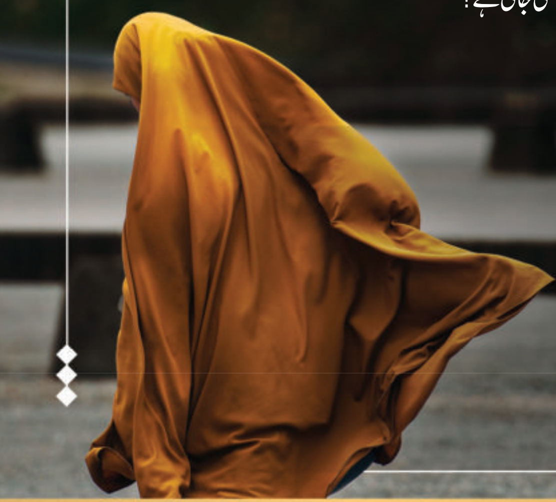

Fruiti-O®
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste of Nature
Fruiti-O
Peach Fruit Drink
Contains Peach Fruit Pulp
Fruiti-O
Pomegranate Nectar
Contains Pommegranate Juice Concentrate
Fruiti-O
Mango Nectar
Contains chaunsa Mango Pulp
Fruiti-O
Mixed Fruit Nectar
Contains Mixed Fruit
Fruiti-O
Guava Nectar
Contains Guava Fruit Pulp
Chill & Shake Before Serving - Keep Refrigerated Once Opened
www.fruitio.com.pk
fruitioPakistan
fruitioPakistan

معاشی مسائل اور خواتین کا کردار

حفصہ محمد فیصل

آج کے گہما گہمی کے دور میں معاشی مسائل ہر گھر کی کہانی بن گئے ہیں۔ ہر دوسرا فرد یہ کہتا نظر آتا ہے کہ اب ایک فرد کے کمانے سے پورا خاندان نہیں پل سکتا۔ مرد اور عورت دونوں کو ہاتھ پاؤں چلانے پڑتے ہیں۔ وہ دونوں مل کر ہی معاشی مسائل سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔

عموماً خواتین زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہوتیں، لیکن چوں کہ آج کل سوشل میڈیا کے ذریعے بہت سارے اِسکلز کورس مختلف پلیٹ فارم سے کروائے جا رہے ہیں۔ اکثر و بیشتر خواتین یہ کورس ذوق و شوق سے کر رہی ہیں اور اس کے ذریعے اپنے محرموں کا ہاتھ بٹانے کی تگ و دو میں لگی ہوئی ہے۔

اکثر خواتین گھروں سے باہر جا کر ہاتھ بٹانے کو زیادہ مناسب خیال کرتی ہیں، لیکن اس مال و زر کی دوڑ میں بعض اوقات وہ اپنی حدود و قیود سے تجاوز کر جاتی ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ ہر عورت ایسے کرتی ہے، لیکن عمومی طور پر ایک تجزیہ یہی ہے کہ گھر سے باہر جانے والی عورتیں شرعی لحاظ سے بھی پسندیدہ نہیں قرار دی جاتیں اور معاشرتی لحاظ سے بھی کئی جگہوں پر پریشانیاں اٹھاتی ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں اسلامی نقطۂ نظر سے معیشت و معاشیات کے تصوّرات کو سمجھنا چاہیے۔ قرآنِ مجید ہمیں رہنمائی فراہم کرتا ہے:

وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (المنافقون: 63) زمین اور آسمان کے سارے کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں۔ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (اٰلِ عمران: 180) زمین اور آسمانوں کی ملکیت، بادشاہت، حکم رانی، تسلّط، تصرّف اور فرماں روائی سب اللہ ہی کے لیے ہے۔

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ (النور 33)
مال سب کا سب، اللہ کا ہے۔

حدیث کی معروف کتاب مؤطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔
اَلْمَالُ مَالُ اللّٰهِ یعنی مال تو اللہ کا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (هود: 6)
رزق کا ذمہ بھی اللہ نے اپنے اُوپر لیا ہے۔ زمین پر ایسا کوئی جان دار نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرة: 36)
ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ دنیا ایک خاص مدّت کے لیے انسان کا گھر اور ٹھکانا ہے۔ قیامت تک انسان کو یہاں پر رہنا ہے، چناں چہ اسبابِ معیشت بھی مطلوب ہیں:

وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (الحجر: 20) اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ (الذاريات: 22) یہ جو رزق ہے یہ زمین کے اندر بھی ہے، سمندر کے اندر بھی اور آسمان کے اندر بھی رزق کی فراوانی رکھ دی گئی۔ یہ تصوّر غلط ہے کہ رزق ختم ہو رہا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجاثیه: 13) جو رزق زمین اور آسمان میں موجود ہے، کیا انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ اس حوالے سے بھی رہنمائی کر دی گئی کہ زمین اور آسمان بھی، لیل و نہار اور بر و بحر بھی انسان کے لیے مسخر کر دیے گئے۔ الغرض! جس کا رزق ہے اور جس نے اس رزق کو اپنے ذمہ لیا ہے، اس نے اس کے حصول، بڑھوتری اور فراوانی کو کچھ قاعدوں اور ضابطوں سے جوڑ دیا ہے۔ رزق محدود نہیں ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ معاشی ترقی میں عورت کا موجودہ کردار اخلاقی ضابطوں سے بغاوت ہے اور اس سے کبھی بھی معاشی ترقی ممکن نہیں ہے۔

اسلام نے خواتین پر کوئی پابندی نہیں لگائی کہ وہ اپنا ذاتی بزنس نہ کر سکتی ہوں، لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بذاتِ خود اپنی کاروباری مصروفیات میں گلی کوچوں، گاؤں و شہر میں نہیں نکلتی تھیں، بلکہ انھوں نے اس مقصد کے لیے نبوت سے پہلے حضرت محمد ﷺ کی خدمات حاصل کی تھیں۔

سیرت کی کتب کے مطالعے سے ان کی تجارتی سرگرمیوں میں اخلاقی قواعد و ضوابط نظر آتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس معاشرے میں دینِ اسلام بحیثیت نظریۂ حیات، غالب عنصر کے طور پر موجود ہو تو خواتین کا معاشی ترقی میں حصہ لینا اور ساتھ دینا، اخلاقی ضابطوں میں ممکن بھی ہے اور ضروری بھی اور اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں، لیکن جہاں شیطان کا راج ہو، فحاشی کے ڈیرے ہوں، ارزل و اسفل کردار عام ہوں، وہاں عورت کو معاشی جدوجہد کی دوڑ میں شامل کرنے کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مثال لانا کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

آج کل ایسے بہت سے آن لائن پلیٹ فارم موجود ہیں، جہاں آپ کسی کی ضرورت کا ڈیجیٹل طریقے سے کام کر کے پیسے کما سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ فوٹو ایڈیٹنگ، لینگویج ٹرانسلیٹنگ، ویڈیو آڈیٹنگ، لوگو ڈیزائننگ، کنٹینٹ رائٹنگ، ویب ڈیزائننگ وغیرہ میں مہارت رکھتی ہیں تو آپ فری لانس بن کر بھی پیسے کما سکتی ہیں۔ یہاں آپ کو آپ کے کام کے معیار کے مطابق پیسہ ملتا ہے۔

یہاں پر گھر بیٹھے پیسے کمانے کے صرف بعض آسان ذرائع کا تذکرہ کیا گیا ہے، ورنہ تو خواتین کے لیے بے شمار ذرائع اور مواقع موجود ہیں۔ بس ضرورت ہمت، حوصلے اور لگن کی ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر ان تینوں چیزوں کو جمع کر لیا تو آپ کو کام یاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

ساتھ ہی ایک بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ اپنی چادر کے حساب سے ہی اپنے پاؤں پھیلائیے! عام طور سے انسان کو اللہ تعالیٰ اتنا رزق دیتے ہیں کہ وہ قناعت کے ساتھ اسے استعمال کریں تو اچھے طریقے سے زندگی گزار سکتا ہے، لیکن دِکھلاوے اور ریا کے چکر میں وہ اپنے اخراجات کو اس قدر بڑھا لیتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ بھی اسے پورا نہیں ہو پاتا، اسی چکر میں وہ حرام حلال کی تمیز بھی بھول بیٹھتا ہے اور زندگی کو مشکل بنا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حلال پاکیزہ طیب مال سے نوازے اور قناعت پسندی کی دولت عطا فرمائے۔ آمین!

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

قرض دینے کے فضائل

قرض وہ مال ہے جو ایک شخص دوسرے کو دیتا ہے، تاکہ قدرت حاصل ہوتے وقت اس کی مثل واپس کرے۔ قرض معاشرے کے کم زور افراد کے ساتھ ایک ایسی خیر خواہی ہے جو خالص ہم دردی اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر دیا جاتا ہے، اس لیے احادیث میں اس کے بہت سے فضائل مذکور ہیں:

بحوالہ بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ معراج کی رات میں نے جنّت کے دروازے پر لکھا ہوا پایا کہ صدقہ کا ثواب دس گُنا اور کسی کو قرض دینے کا ثواب اٹھارہ گُنا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی ایک دنیوی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اُس کے اُخروی حوائج پوری فرمادیں گے۔

اسی طرح دیگر کئی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمان کو قرض دینا ایک اچھا اور اللہ تعالیٰ کو محبوب عمل ہے۔ دوسری طرف قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا اور بلاوجہ تاخیر کرنے کو نبی کریم ﷺ نے ظلم قرار دیا ہے۔ ایسے آدمی کو ڈرنا چاہیے کہ اگر اچانک موت واقع ہو جائے تو قرض کا بوجھ لے کر قبر میں جانا انتہائی خطرے کی بات ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ”میرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کے ذمہ دوسرے کا قرض ہے۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ اپنے قرض کی وجہ سے قید میں ہے، لہٰذا اس کی طرف سے قرض ادا کرو۔“ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں بہتر ہو۔“

قرض کے بعض اہم مسائل واحکام

سوال(1): اگر ایک انسان پر قرض ہے تو کیا وہ اپنا قرض مالِ حرام سے ادا کر سکتا ہے؟

جواب: صورتِ مسئلہ میں چوں کہ یہ انسان خود اس مالِ حرام کا مالک نہیں ہے، بلکہ اس کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اس کے اصل مالک کو تلاش کر کے اس کو واپس کر دے، لہٰذا جب یہ خود اس کا مالک نہیں ہے تو وہ اس سے کیونکر قرض ادا کر سکے گا؟ تاہم! اگر مقروض نے مالِ حرام سے قرض ادا کر دیا تو وہ قرض کی ادائیگی سے توبری ہو جائے گا، مگر کسی اور کا مال استعمال کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور اس کے ذمہ یہ لازم رہے گا کہ اس مال کے ضمان اور بدل کے طور پر دوسرا مال مالکِ اصلی کو واپس کر دے اور مالک کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

سوال(2): اگر قرض خواہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اپنا قرضہ حرام مال کے ذریعے ادا کر رہا ہے تو کیا قرض خواہ کو اس سے اپنا قرضہ وصول کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ ایسی صورت میں قرضہ وصول کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مال کے بارے میں معلومات حاصل کرے: اگر اسے معلوم ہو جائے کہ یہ مال کسی سے زبردستی حاصل کیا گیا ہے، مثلاً: چوری، ڈکیتی، غصب اور رہزنی سے حاصل کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں قرض خواہ کو اس مالِ حرام سے قرض وصول کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

اور اگر قرض خواہ کو معلوم ہو جائے کہ مقروض کے پاس جو مال ہے وہ اگرچہ مالک کی رضا اور خوشی سے حاصل کیا گیا ہے، لیکن کسی ناجائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہے، جیسا کہ سود، جُوا، ناچ گانا وغیرہ اور اس مال کا مالکِ اصلی بھی متعین طور پر معلوم نہیں ہے تو ایسے مالِ حرام سے قرض وصول کرنا اور نفع اٹھانا اگرچہ قضاءً جائز ہے، تاہم دیانت اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

سوال(3): اگر مقروض قرض ادا کرتے ہوئے اپنی طرف سے مقدار میں اضافہ کر دے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ اگر قرض خواہ کی طرف سے اضافے کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہو، بلکہ مقروض قرضہ واپس کرتے ہوئے اپنی دلی رضامندی سے مقدار میں اضافہ کر کے دے رہا ہے یا جیسا مال اس نے لیا تھا اس سے بہتر مال واپس کر رہا ہے تو ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے ایک اونٹ لیا اور اس سے بہتر اونٹ واپس فرمایا اور فرمایا کہ ”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو ادائیگی میں بہتر

بقیہ صفحہ نمبر 17 پر

حکیم شمیم احمد

کیلا
کئی امراض کا شافی علاج

کیلے کا اصل وطن

کیلے کو عربی میں موز اور انگریزی میں Banana کہتے ہیں۔ مزاج گرمی سردی میں معتدل اور دوسرے درجہ میں تر ہے۔ اگر کیلے کے فوائد اور شفا بخش تاثیر کا بخوبی علم ہو جائے تو اس پھل سے کئی مریضوں کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ نرم و گداز، ذائقے دار اور خوش نما کیلا اب تقریباً ہر موسم میں دستیاب ہوتا ہے۔

ماہرین اس کا اصل وطن ملائشیا قرار دیتے ہیں۔ ہزار سال قبل مسیح میں وہاں کے باشندے اس کو محض ذائقے اور پیٹ بھرنے کے لیے کھاتے تھے، لیکن اب دیگر پھلوں کی طرح اس کی غذائی اور طبّی اہمیت کے بارے میں تحقیق ہو چکی ہے کہ اس پھل میں کئی امراض کا شافی علاج موجود ہے۔

کیلے کے طبّی خواص

- کیلا غذائیت سے بھرپور پھل ہے۔ اس میں فاسفورس کیلشیم، فولاد اور پوٹاشیم جیسی معدنیات وافر مقدار میں موجود ہیں۔
- کیلا وٹامن بی کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ جسم میں B-6 نمایاں ہے، جو خون کے سُرخ خلیات کی پیداوار بڑھانے میں مدد دیتا ہے۔
- کیلے میں گلوکوز بھی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، جو فوری طور پر خون میں شامل ہو کر توانائی فراہم کرتا ہے۔ اس کی اسی خاصیت کی بنا پر ذیابطیس کے مریضوں کو اس کے استعمال سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے، کیوں کہ اس سے خون میں شکر کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔
- کیلا آنتوں کو چکنار کھتا ہے، لہٰذا قبض کُشا خصوصیات کا حامل ہے۔
- کیلے میں موجود ریشے پانی کو جذب کرنے اور آنتوں کی حرکت باقاعدہ کرنے میں مدد دیتے ہیں، جس کے باعث یہ بواسیر کے مریضوں کے لیے مفید ہے۔
- کیلا کثیر الغذا پھل ہے۔
- کیلا خون گاڑھا پیدا کرتا ہے۔
- خشک کھانسی اور حلق کی خشونت کیلے کے کھانے سے زائل ہو جاتی ہے۔
- پختہ کیلا نہار منہ کھانا آنتوں پر ملین تاثیر رکھتا ہے، لیکن کچا کیلا قابض ہے اور دیر سے ہضم ہوتا ہے۔
- کیلے کے تنے، پتوں اور پھولوں کا پانی پلانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے۔

کیلے کے متفرق فوائد

- کیلا حابس الدّم ہے، اس کی جڑ کا پانی سہاگہ۔ بریاں اور قلمی شورملا کر اور گھی شکر شامل کر کے سوزاک میں دیا جاتا ہے۔ اس کے پھولوں کا رس دہی کے ہم راہ کثرتِ حیض میں کھلاتے ہیں اور ذیابطیس میں پھولوں کو پکا کر کھلاتے ہیں۔
- بدن کی خشکی دور کرنے میں کیلا اکسیری صفات کا حامل ہے۔
- خارش اور گنج میں سرکہ یا لیموں کے رَس کے ساتھ اس کا سر پر لیپ کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔
- گرمی کی وجہ سے سوزش یا وَرم ہو جائے تو کیلے کے پتے باندھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔
- نرخرے یا حنجرے میں گرمی یا خشکی کی وجہ سے بلغم چپک گیا ہو اور آواز متاثر ہو گئی ہو تو ایسے میں کیلے کا استعمال فوری آواز کھول دیتا ہے اور بلغم آسانی سے خارج ہو جاتا ہے۔
- کیلے میں پوٹاشیم اور وٹامنز بی گروپ کی موجودگی، اعصابی نظام کی کارکردگی کو برقرار اور محکم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔
- کیلا ڈپریشن سے بچاؤ کے لیے نہایت مفید پھل ہے۔ اس میں موجود ٹرپروفین (لازمی امائنو ایسڈز) جسم میں سیروٹونین جیسے مرکب میں تبدیل ہو جاتا ہے، یہ مرکب موڈ کے اتار چڑھاؤ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

کیلا السر سے نجات کا باعث ہے

- کیلا ایک ایسا پھل ہے، جسے معدے کے مریض بغیر کسی خوف کے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ معدے کی تیزابیت اور جلن کو کم کرنے میں نہایت مفید ہے۔ اس میں موجود خاص قسم کے خامرے معدے میں السر کا باعث بننے والے بیکٹیریوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ کیلا بچوں کی صحت کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ اگر اس کا ملک شیک تیار کر کے شیر خوار بچوں کو استعمال کروایا جائے تو اس سے نہ صرف ان کی غذائی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، بلکہ نشوونما میں بھی تیزی آ جاتی ہے۔
- سخت تھکن کی صورت میں دو کیلے کھانے سے تھکن دور ہو جاتی ہے اور آپ پھر سے تروتازہ ہو جاتے ہیں۔
- حاملہ خواتین کے لیے یہ ایک بہترین ٹانک ہے۔ اس کے کھانے سے اینیمیا جیسی خطرناک بیماری سے بچاؤ ممکن ہو جاتا ہے۔
- ایسے بزرگ جن کے لیے روٹی کھانا اور اسے ہضم کرنا مشکل ہو، وہ بھی اس پھل سے اپنی غذائی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔

پوٹاشیم کی افادیت

تحقیق کے مطابق ایک صحت مند شخص کے لیے پوٹاشیم کی 3.98 گرام مقدار روزانہ باقاعدگی سے دینا ضروری ہے۔ پوٹاشیم ہڈیوں کی کثافت محفوظ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں موجود کیلشیم بھی ہڈیوں کی صحت اور مضبوطی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ورزش یا جسمانی محنت و مشقت کے دوران عام طور پر جسم میں پوٹاشیم کی سطح کم ہو جاتی ہے۔ کیلا اس کمی کو فوری طور پورا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ کیلے میں پوٹاشیم کی وافر مقدار پائی جاتی ہے، جبکہ سوڈیم بہت کم مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ ان دونوں کا تناسب بلڈ پریشر اور فالج جیسے امراض سے بچاؤ کے لیے بہت ضروری ہے۔

کیلا گردوں کے کینسر میں بھی مفید ہے

انٹرنیشنل جرنل آف کینسر کے مطابق وہ افراد جو سبزیوں اور پھلوں کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں، انھیں گردوں کا کینسر لاحق ہونے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ رپورٹ میں کیلے اور گوبھی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کیوں کہ ان میں اینٹی آکسیڈنٹ مرکبات موجود ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے استعمال سے گردوں کا کینسر لاحق ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

چناں چہ یہ پھل جو اتنے فوائد سے بھرپور اور صحت بخش ہے، اس کو اپنی غذا میں ضرور شامل کرنا ہے۔

کیلا صحت کے ساتھ ساتھ حسن کا بھی ضامن ہے

خشک جلد کی حامل خواتین کے لیے کیلے کا ماسک مفید ثابت ہوتا ہے۔

ماسک تیار کرنے کے لیے سب سے پہلے زیتون کے تیل کو گرم کر لیں۔ اس کے بعد اسی مقدار میں کیلا لے کر اس کو کچل لیں، ان دونوں کو اچھی طرح ملا کر ان کا پیسٹ بنا لیں، اسے چہرے پر لیپ کریں اور تقریباً پندرہ منٹ بعد نیم گرم پانی سے چہرہ دھو لیں۔ اس سے نہ صرف رنگت میں نکھار آئے گا، بلکہ جلد بھی نرم و ملائم ہو جائے گی۔

جہاں اس پھل کا گودا مفید ہے، وہیں اس کے چھلکے میں بھی طبّی خواص موجود ہیں۔ اگر مچھر کاٹ جائے تو کیلے کے چھلکے کی اندرونی سطح اس پر اچھی طرح رگڑیں، اس سے متاثرہ جگہ پر نہ تو سوجن ہو گی اور نہ ہی خارش رہے گی۔

بقیہ

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

برتاؤ وار کھے۔" البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ اضافہ قرض دہندہ کی طرف سے بطورِ شرط نہ ہو اور اگر یہ اضافہ بطورِ شرط ہو تو یہ سود کے زمرے میں شمار ہو کر حرام ہو گا۔

سوال (4): قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں جو مدّت متعین کی جائے تو کیا قرض دہندہ اس مدّت کا پابند ہو گا؟

جواب: واضح رہے کہ قرض کی ادائیگی میں جو مدّت متعین کی جائے قرض ادا کرنے والا اسی مدّت کا پابند نہیں ہوتا، کیوں کہ قرض ایک طرح کا تبرّع اور احسان ہے اور اگر مدّت کا لزوم ہو جائے تو پھر وہ تبرّع باقی نہیں رہے گا۔

سوال (5): مقروض کی طرف سے تحفہ اور ہدیہ وصول کرنا کیسا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ نے مقروض کی طرف سے تحائف قبول کرنے میں احتیاط برتنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ قرض خواہ کو مقروض سے تحفے قبول نہیں کرنا چاہیے، سوائے اس کے کہ پہلے سے ان کے درمیان تحائف کے تبادلے کی ترتیب رہی ہو۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ جہاد کی غرض سے عراق کی طرف جا رہے تھے تو زر بن حُبیش رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "آپ ایسی جگہ جا رہے ہیں، جہاں سود کا رواج عام ہے، اس لیے اگر کسی کو قرض دیں اور وہ آپ کو قرض کے علاوہ کچھ بھی تحفہ دیں تو اس کا تحفہ قبول نہ کریں۔" اسی بنیاد پر فقہا نے بھی سود خوری اور اس کے تمام چور دروازوں کو بند کرنے کے لیے مقروض کے ہدایا اور دعوتوں کے قبول کرنے میں احتیاط کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں کے درمیان پہلے سے دعوت اور تحفے تحائف کا معمول نہ ہو تو قرضہ دینے کے بعد ان کی دعوت اور تحفوں کا قبول کرنا جائز نہیں، ہاں! قرضہ دینے سے پہلے سے اگر اس طرح کا معمول چلا آ رہا ہو، تب جائز ہے۔

سوال (6): اگر مقروض استطاعت کے باوجود قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے اور قرض خواہ خفیہ طریقے سے کسی مناسب تدبیر کے ساتھ اس سے اپنا قرضہ وصول کرنا چاہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: صورتِ مسئلہ میں کسی مناسب تدبیر کے ساتھ اپنا قرضہ وصول کرنا جائز ہے، تاہم! اس میں اس بات کا اہتمام ضرور ہو کہ اپنے حق سے زیادہ ہرگز نہ لے اور حق حاصل کرنے کے بعد اُس کی اطلاع کی بھی ضرورت نہیں، خاص طور پر اگر ناراضی یا کشیدگی کا خطرہ ہو۔

اصل سے دور ہو کر!!

آمنہ عبدالباسط

حضرتِ انسان ربّ تعالیٰ کی بڑی پیاری اور نایاب مخلوق ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ ربُّ العزّت نے اسے اشرف المخلوقات قرار دیتے ہوئے اس کے لیے پوری کائنات مسخر کر دی، پھر مزید احسان پہ احسان فرماتے ہوئے اک بہترین ضابطۂ حیات "دین" کی صورت عطا کیا اور پھر تمام ادیان میں سے "اسلام" کو سب سے بہتر اوّل اور اعلیٰ بنا کر اپنی پیاری مخلوق کے لیے پسند فرمایا اور شریعتِ مطہرہ کی صورت حجت تمام کر دی۔۔۔ پھر اس شریعت کو سکھانے والے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو تا قیامت مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بنا دیا۔ آپ ﷺ کی سنّت اور اخلاقِ حسنہ رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ ہیں!

ہو گا کہیں ایسا نظامِ زندگی جس میں اتنا کچھ بغیر طلب کے عطا کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد کریں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ربّ اپنے بندوں سے کس قدر پیار کرتا ہے؟؟؟ کہ رحمتوں کی انتہا کر دیتا ہے۔

اور انسان کس قدر ناشکرا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو ہی بھول بیٹھا ہے اور تو اور جس دین کو اللہ نے ضابطۂ حیات ٹھہرایا تھا، اسی کو پس پشت ڈال کر نئی تہذیب کے پیچھے چل پڑا، جس میں تہذیب تو دور کی بات انسانیت بھی نظر نہیں آتی۔ بے رحم معاشرے پوری کی پوری قومیں جڑ سے اُکھاڑ کے پھینک رہے ہیں اور آج کا انسان اسے ماڈرن اِزم کا نام دے کر خوش ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ نتیجتاً خوشی ملتی ہے نہ ماڈرن بن پاتا ہے، بلکہ اپنی بنیاد بھی ہلا ڈالتا ہے! اور بدلے میں تباہی مقدّر بن جاتی ہے۔

اگر ہم غور کرنے کی کوشش کریں تو اس تباہی کی چند جھلکیاں ہی ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیائے فانی پہ نظر ڈالی جائے تو ہر سو ایک عالم ہڑبونگ، نفسا نفسی اور دوسرے کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جانے کا سامان نظر آتا ہے۔

اور صحت مند معاشرے کی اساس اور انسان کی محفوظ پناہ گاہ "گھر" جیسی عمارت کو دیکھا جائے تو الگ ہی جنجال پورہ منتظر ملتا ہے۔ ہر فرد ایک دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے جبکہ گھر تو انسان کے آرام وسکون کی جگہ ہے، جہاں ہے، وہ دن بھر کی تھکن اتار کر تازہ دم ہونا چاہتا ہے۔ اگر اسی گھر کے مکیں دین سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں اور ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں تو آپسی تعلقات اور گھر کا ماحول حیرت انگیز طور پہ خوش گوار اور محبت سے بھرپور ہو گا۔ جبکہ دین سے دوری کا سب سے بڑا نقصان جو آج کل ملتا ہے، وہ اسی گھر جیسی چھاؤں کی اکھاڑے میں تبدیلی ہے!

اور معاشرے کی بنیاد تو گھر تھا، جب گھر ہی آتش کدہ بن جائے تو امن کے پھول کہاں کھل سکتے ہیں؟؟؟؟؟

دین سے دوری کا دوسرا بڑا نقصان نئی نسل کا شتر بے مہار ہونا ہے، جن کو اپنے وقتی کمفرٹ کے علاوہ کسی چیز سے غرض نہیں۔ وہی نسل جس نے دین کی امامت کا فرض نبھانا تھا، وہ نسل سوشل میڈیا پہ لایعنی مصروفیات میں مشغول ہو کر پیدا ہونے کا مقصد تک فراموش کر بیٹھی۔

جبکہ گھریلو زندگی کی اکائی زوجین کا تعلق اسی دین سے دوری کی بِنا پر نسلوں کی تباہی کے دہانے پہ کھڑا ہے۔

وہ دین جس پر چل کر مسلمانوں نے ایک عالم پر حکومت کی، جس دین کے ذریعے ادنیٰ غلام کو کعبے کی چھت پہ چڑھنا نصیب ہوا، وہ دین جس کے ذریعے کل جہاں میں تہذیب وتمدّن کی روشنی پھیلی، جس کی وجہ سے دشمنانِ اسلام مغلوب ہو کر دھول چاٹنے پہ مجبور ہوئے۔ آج اسی دین کو چھوڑ کر ہم بے وفائی کے مرتکب تو ہوئے ہی، لیکن ساتھ ہی اپنی اعلیٰ مزاجی بھی کھو بیٹھے اور کہیں کے نہ رہے! اپنے ہی گھر کے رکھوالے بننے کی بجائے اسے اُجاڑنے کے درپے ہو گئے۔

تاریخ کا مطالعہ کر لیں جو قومیں بھی اپنی اصل سے دور ہوئیں، وہ خود کو تباہ کر بیٹھیں۔ ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور آج کہیں ان کا ذکر نہیں، جبکہ دینِ اسلام تو مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر ہر معاملے میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ہر طور سے بھرپور جینے کی راہیں دکھاتا ہے، ہمیں گائڈ لائن فراہم کرتا ہے۔ نئی امنگ پیدا کرتا ہے۔ معاشرے میں کھڑا رہنا سکھاتا ہے! اسی لیے ہمارا نظامِ زندگی اللہ کے ڈیزائن کردہ پیٹرن (دینِ اسلام) کے مطابق ہو گا تو ہی صحیح طرح چل سکے گا، ورنہ چاہے جتنی کوشش کر لیں ہم منہ کے بل گر ہی جائیں گے۔

جس طرح نقشے کے بغیر عمارت نہیں بن سکتی، راستہ نہیں تلاش کیا جا سکتا، منزل نہیں پائی جا سکتی، اسی طرح دینِ اسلام جیسے نقشے کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

دین آج بھی وہی ہے، اس کی ہدایات بھی وہی لاثانی ہیں۔ بس! ہمیں ان کو نئے سرے سے اپنانے کی ضرورت ہے۔ آئیں! اپنے دین سے جڑتے ہیں، تاکہ ربّ تعالیٰ کی محبت کے بیش بہا انعامات پانے کے ساتھ دنیا وآخرت میں بھی سکون کی منزل حاصل کر سکیں۔۔۔

NEW Z-J Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
The Divine Collection
wraps you in gold that whispers to your faith
03085888455
021 35835455, 35835488
S-11, YOUSUF GRAND SQUARE, BLOCK 8, CLIFTON

قارئین! آپ اس کہانی کو کیا عنوان دینا چاہیں گے؟ آپ کا دیا ہوا عنوان اگر پسندیدہ قرار پایا تو آپ کو 300روپے انعام دیا جائے گا۔ صفحہ 41 بھی دیکھیے

بلاعنوان

میمونہ عظیم

"اے کاش! میں نے شروع سال سے محنت کی ہوتی۔" عینا خود سے مخاطب تھی۔

رات کے بارہ بج رہے تھے اور عینا اپنے اِرد گرد کتابیں پھیلائے بیٹھی تھی۔ کچھ کُتب شروحات کے ساتھ کھلی ہوئی تھیں اور کچھ کُتب لائن میں میز پر سجادی تھیں کہ اب تو وہ جیسے کھلنے کے انتظار میں پُرجوش سی بے ترتیب سی ہو گئی ہوں۔

"میرے اللہ! اس لڑکی کو ہمت دے، بچے! کھانا ٹھنڈا ہو چکا اور ابھی تک نہیں کھایا۔" امی نے عینا کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر اٹھی۔

"وہ ہدایہ ہدایہ۔۔۔" عینا بدحواس سی ہدایہ کتاب کی رَٹ لگائے ہوئے تھی۔

"میری بچی! اتنا ذہن پر سوار نہ کیا کرو، لگتا ہے خواب دیکھا ہے، چلو! اگر کھانا نہیں تو یہ گرم دودھ پی لو! تمہارے لیے لائی ہوں۔" فاطمہ نے عینا کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے تسلی دی اور دودھ میز پر رکھ کر پینے کی تلقین کرتی، دعائیں دیتی چلی گئیں۔

عینا عالمہ بن رہی تھی۔ اس کا یہ سال، عالیہ سالِ اوّل کا تھا۔ اگلے روز ہدایہ کا پیپر تھا، ہدایہ اپنے کئی فقہی مسائل کے سبب کافی اچھے بھلوں کا سر گھما دیتی ہے، اسی لیے عینا بھی ڈر رہی تھی۔ محنتی ہونے کے باوجود کافی ڈر کا شکار تھی، خود کو تسلی دے کر دودھ کا گلاس اٹھایا اور ایک ایک گھونٹ کر کے حلق سے اتارنے لگی۔ پھر کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس میز پر رکھ دیا اور سامنے پلیٹ پر نظر پڑتے ہی بریانی کی پلیٹ پر جھپٹنا اور لڑنا، چھپا کر رکھنا، بڑا یاد آ رہا تھا! مگر آج وہ پلیٹ لقمۂ عینا بننے کو جیسے ترس رہی ہو۔ اسی دوران میں لائٹ آف ہو گئی، عینا نے کلائی میں پہنی گھڑی پہ وقت دیکھا، ایک بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔

"تہجد کے وقت عینا گڑگڑا کر دعا کر رہی تھی۔"

"میرے اللہ! جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے تیاری کر لی، لیکن تیری مدد کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ الٰہی! تو میری عزّت کی لاج رکھنا، مجھے ذلت سے بچانا مالک!"

طالبِ علم کا یہ دور بہت پیارا ہوتا ہے! گناہوں سے توبہ کی بھی توفیق مل جاتی ہے۔ یہ ڈر بھی رہتا ہے کہ کہیں ہمارے گناہوں کی نحوست امتحانات پر اثرانداز نہ ہو، ایسی حالت میں باری تعالیٰ کی رحمت کس قدر متوجہ ہو گی نا!!! اور کس قدر خدا کو اس عاجز سے طالبِ علم پر پیار آتا ہو گا۔

"بتاؤ عینا! کیسا ہوا پیپر؟" معلّمہ صاحبہ فکرمندی سے پوچھتی ہیں۔

"باجی جان! آپ کی دعائیں ہیں، پیپر الحمد للہ سوچ سے کہیں زیادہ آسان تھا۔"

"ماشاءاللہ، ماشاءاللہ! اللہ کامیابیوں سے نوازے۔" باجی خوش ہو کر عینا کو دعا دیتے ہوئے باقی بچیوں کے احوال دریافت کرنے آگے بڑھ جاتی ہیں۔

"مما! سنا ہے عینا کی پہلی پوزیشن آئی ہے، کیا یہ سچ ہے؟" فائمہ نے نبیلہ خاتون سے تصدیق چاہی۔

"جی بچے! محنتی لڑکی ہے اور یہ انتہائی خوشی کی بات ہے۔ تمہارے ابو نے آج صبح بتایا مجھے۔" نبیلہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وضاحت دی اور خوشی کا اظہار کیا۔

"مما! خوش نصیب ہے نا عینا! کیسے ہر جگہ ٹاپ کرتی ہے۔ اس نے اپنی پڑھائی جاری رکھی، انٹر کے بعد ہم یونیورسٹی کے چکر میں پڑے اور اس نے دین کو فوقیت دیتے ہوئے دینی جامعہ کا انتخاب کیا۔" فائمہ روہانسی ہو گئی۔

فائمہ چند مسائل کی بنا پر یونیورسٹی درمیان میں ہی چھوڑ چکی تھی اور ڈیڑھ سال چوں کہ فراغت میں ضائع ہو چکے تھے، اس لیے پریشان اور افسردہ تھی اور آگے کی زندگی کو روشن کرنا چاہتی تھی، مگر شاید کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ملا تھا۔

"چلو، کوئی بات نہیں بچی! تمہارے ابو نے عینا کے لیے افطار پارٹی رکھی ہے اور وہ بس آنے ہی والی ہے۔" نبیلہ خاتون نے مسکرا کر کہا۔

نبیلہ خاتون نے کچن کا رُخ کیا اور بیٹی کو صفائی کی ہدایات دیتی ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں۔

"ماشاءاللہ! بریانی تو بڑے کے مزے کی بنائی ہے چچی جان!" عینا نے دل کھول کر تعریف کی۔

"تیری پہلی پوزیشن کی خوشی میں اس قدر ذائقہ آ گیا بچے!" نبیلہ نے خوش اخلاقی سے عینا کی حوصلہ افزائی کی۔

"نہیں چچی جان! آج میں بھی اعتراف کرتی ہوں، آپ کی بریانی کی تو کیا ہی بات ہے، مزہ آ گیا۔"

"قسمے ایسے ہی۔۔۔ میری مما کے ہاتھ میں ذائقہ ہے، ماشاءاللہ سے!" فائمہ نے بھی جب ہامی بھری تو نبیلہ مسکرا دی۔

"اب تو بھی کچھ سیکھ لے فائمے!" اچانک عینا نے توجہ دلائی۔

"یار! آتی ہے مجھے بھی، مگر مما کا ذائقہ۔۔۔" فائمہ نے دانت نکالے۔

"بڑی آتی ہے، کبھی بنائی بھی ہے؟" نبیلہ نے آنکھیں دِکھائیں۔

"مما بس بھی۔۔۔ کہا جو وہ ذائقہ۔۔۔!"

"چلو بچو! اب مغرب کی نماز پڑھ لو۔ آج افطاری لمبی ہو گئی، نماز بھول رہے ہو۔" اکبر چاچو نے نماز کی توجہ دلا کر مجلس برخاست کر دی۔

"جی ہاں، چلو عینا! ہم کمرے میں چل کر پڑھتے ہیں۔"

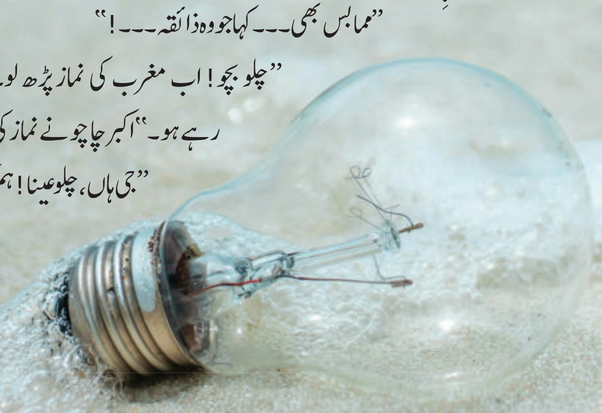

"جی چلو فائمہ! اور ہاں۔۔۔ نماز کے بعد مجھے تم سے اک ضروری بات بھی کرنی ہے۔"

"میں پڑھ پاؤں گی اتنی ساری کتب۔۔۔ بہت مشکل ہے بھئی!" مغرب کی نماز کے بعد عینا نے اپنی بات رکھی تو فائمہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

"ارے بھئی! بس تو ارادہ کرلے اور چچا چچی سے اجازت لے لے، پھر دیکھنا کیسے اللہ کی مدد ہوتی ہے۔"

"لیکن بھئی عینا! تو ذہین ہے، میں اس طرح نہیں۔" فائمہ نے ندامت سے سر جھکا کر کہا۔

"سر اٹھاؤ فائمہ! یہ احساسِ کم تری اور کم ہمتی اور پست حوصلے تمہاری تو علامت نہیں تھی؟" عینا نے ناراض ہو کر کہا۔

"اچھا بھئی سوری! مگر یہ سچ ہے، بس حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔"

"اللہ پر بھروسا نہیں؟" اچانک عینا کے سوال نے فائمہ کو چونکا دیا۔

"کیوں نہیں، اپنی جان سے بڑھ کر بلکہ سب سے بڑھ کر!" جذباتی فائمہ عینا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"تو بس! پھر چچا سے بات کر لینا، شوال میں تمہارا داخلہ جامعہ میں ہو جائے گا۔ دیکھنا اللہ خود آسانی فرما دیں گے۔" عینا نے فائمہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے تسلی بخش اور خیر خواہانہ رائے دی۔

"ٹھیک ہے عینا! میں آج بات کروں گی۔"

"اچھا! اب میں چلتی ہوں، لیکن تیرے جواب کی منتظر رہوں گی فائمہ!" مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا اور بالآخر عینا کے جانے کا وقت آ پہنچا۔

"میں بہت خوش ہوں، الحمد للہ! اور مجھے جو سکون مل رہا ہے وہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔" فائمہ آبدیدہ قلبی حالات سے عینا کو آگاہ کرنا چاہ رہی تھی، مگر شاید نہیں کر پا رہی تھی۔

جب بندہ اللہ کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور وہ قدم قدم پر اخلاص کے ساتھ اللہ جل شانہٗ سے کامیابی کی دعائیں کرتا ہے تو پروردگارِ عالم اسے کیسے تنہا بے یار و مددگار چھوڑ سکتے ہیں؟ فائمہ نے بھی عینا کے مشورے پر عمل کر کے علمِ دین پڑھنے سیکھنے کا راستہ چنا تھا۔ جامعہ کے پُر نور ماحول میں وہ ایسی ڈھل گئی تھی کہ سب اس پر رشک کر رہے تھے۔

"پڑھائی کا بتاؤ، مشکل تو نہیں لگ رہی نا؟" عینا نے فائمہ سے ایک روز پوچھا۔

"عینا! تمہارا بہت شکریہ، تمہارے طفیل مجھے یہ راستہ منتخب کرنے کا موقع ملا۔ اس ماحول میں اساتذہ کی شفقت، والدین کی دعاؤں اور تمہارے ساتھ نے بہت آسانی اور کرم کا معاملہ فرمایا ہے۔" فائمہ کے جواب سے عینا خوش ہو گئی اور کہنے لگی:

"اللہ کا شکر ہے درویشہ فائمہ! تم بھی اب احکام و تفسیرِ قرآن سے آشنا ہو جاؤ گی۔ میری ذمے داری کچھ کم ہو جائے گی۔" عینا نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب یہ کہ تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس کا کام ہم مل کر کریں گے، ان شاء اللہ!" عینا نے وضاحت سے کہا۔

"آہاااں! میں تو ہمہ وقت تیار ہوں، بس اللہ راضی ہو جائے۔ ہم اسی کام میں اپنی زندگی کھپا دیں گے اور اسی حالت میں ہماری روح پرواز کر جائے گی، ان شاء اللہ!" یہ کہتے ہوئے فائمہ دیوار پر لگی سینری میں کھو کر بولی، یہ سینری اسے تفسیر کی باجی نے بہترین اخلاق اور اچھی کارکردگی پر بطورِ انعام عنایت کی تھی۔

سینری پر بھرے حروف میں لکھا تھا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

"عینا تمہارا بہت شکریہ! تم میری مخلص دوست و چچازاد ہی نہیں، جنّتی سہیلی بھی ہو۔ اگر تم مجھے توجہ نہ دلاتیں تو شاید میں جامعہ کا رُخ نہ کرتی اور یوں اپنے رب سے کافی دور ہو جاتی۔" فائمہ نے عینا کو دل سے دعائیں دیں اور شکریہ ادا کرنے لگی۔

"نہیں پیاری! ایسی بات نہیں، اصل میں اللہ نے آپ کو چن لیا تھا، اگر میں نہ بھی توجہ دلاتی کوئی نہ کوئی اور ذریعہ بن جاتا جو آپ کو جامعہ لاتا اور اللہ کے قریب کر دیتا۔" عینا نے عاجزی سے کہا۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

میرے مالک! میرے والدین کی بھی مغفرت فرما اور انھیں اپنے قرب کی لذّت سے آگاہی عطا فرما۔

فائمہ گڑگڑا کر رات کے تیسرے پہر اپنے پروردگار سے والدین کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

ایسے والدین حقیقت میں دعاؤں کے مستحق ہوتے ہیں جو اولاد کی دنیا کے ساتھ آخرت کی بھی فکر کرتے ہیں اور بچوں کو دینی تعلیم سے آشنا کرتے ہیں۔

فائمہ پھر کیوں شکر گزار اور دعا گو نہ ہوتی؟ والدین کی اجازت نے ہی خوشی کا موقع فراہم کیا تھا۔ یہ والدین ہی اس کا کھویا ہوا سکون واپس لانے کا سبب بنے تھے اور یہ والدین ہی اسے اللہ کے قریب کرنا چاہتے تھے۔

والدین کو چاہیے بچیوں کو دین سے اتنا مربوط کر دیں اور ایسا ماحول بنا دیں کہ ایک اچھا دین دار اور باحیا معاشرہ وجود میں آئے۔ تعلیم و تعلّم ہو یا دوسرے کام! مخلوط ماحول سے اپنے بچوں کو محفوظ رکھنا، والدین کی ذمے داری ہے۔ شیطان ہمہ وقت گھات میں رہتا ہے۔ عید الفطر کے بعد شوال یعنی اپریل کے شروع میں ہی مدارس کھل جائیں گے اور داخلے کھل جائیں گے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان شاء اللہ! والدین کی توجہ اور فکر مندی شامل رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو گی، نہ صرف معاشرے کا بگاڑ اور کوئی فتنہ بچوں پر اثر انداز نہ ہو گا، بلکہ ان کے ذریعے ماحول میں تبدیلی لانا بہت آسان ہو گا۔ ان شاء اللہ۔۔۔! یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کی زندگی جتنی بھی لمبی ہو، ساٹھ، ستر سال کی ہی ہو گی نا! جب کہ موت کے بعد کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کی ہے۔ اِس مختصر، وقتی زندگی کی بجائے اربوں کھربوں سال بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کا کیوں نہ سوچا جائے۔۔۔!!

مزدور کی عیدی

راحیلہ خان

"مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کی اُجرت ادا کر دو۔"

یہ الفاظ پانی کا جگ لاتی سکینہ کے کان میں پڑے، عالمہ صاحبہ یہ کہہ رہی تھیں کہ یہ الفاظ کسی اور کے نہیں بلکہ آپ ﷺ کے ہیں۔ سکینہ نے یہ سنتے ہی فوراً ادب سے دوپٹا درست کیا اور پھر بیٹھ کر درس سننے لگی، کیوں کہ اس کو بہت شوق تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پیارے نبی ﷺ کی باتیں سن لے، مگر باجی کو کہاں آرام تھا۔ فوراً ہی باجی کی نظروں نے سکینہ کو بتایا کہ وہ دوبارہ کچن جائے۔ سکینہ اس حکم عدولی کی مجاز نہیں ہوسکتی تھی کہ باجی اس کی تنخواہ یہ کہہ کر کاٹ لیتیں کہ اس نے فلاں دن فلاں کام نہیں کیا اور آرام کے تو پیسے ہوتے نہیں ہیں۔

سکینہ مجبور تھی کہ گھر میں بوڑھے والد کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں تھا کہ کام کر کے پیسے لاتا اور گھر کے پانچ نفوس کھا سکتے۔ یہ ایک کمرے کا گھر بھی باجی کا سرونٹ کوارٹر تھا، ورنہ سر چھپانے کو سکینہ کے خاندان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ پہلے بوڑھا باپ پھل کی ریڑھی لگاتا تھا (جو پھل ان کو کھانے کو نصیب نہ ہوتے) پھر بھی سب خوش و مطمئن تھے کہ گھر میں دو وقت ہی سہی کھانا ملتا تو تھا۔ اب باپ بے چارہ بھی اس قابل نہیں رہا، ماں پہلے ہی نہیں تھی۔

سکینہ کی کنجوس باجی تنخواہ تو وقت پر نہ دیتیں، مگر روز فرج میں پڑا ایک دن باسی کھانا ضرور دے دیتیں۔ سکینہ صبح سے رات گئے باجی کے سارے کام کرتی، باجی بہت نیک تھیں۔ رمضان المبارک کے شروع ہوتے ہی باجی نے ہر روز تراویح اور دوپہر کو درس کی محفل رکھ لی تھی۔ سکینہ جہاں درس میں بڑے شوق سے دل چسپی لیتی، وہیں اس کی وجہ سے باجی نے کام بھی بڑھا دیے تھے، لیکن سکینہ دینی محفل کے لیے ذوق و شوق سے بڑھ چڑھ کر کام کرتی۔

پہلی سحری کو ہی باجی نے سکینہ کو بلالیا کہ سکینہ سحری تیار کرے، پھر سحری سے فراغت کے بعد سارا گھر خاص طور پر صاف کرے، تاکہ آس پڑوس کی خواتین کو باجی کے گھر کے متعلق کوئی موضوع نہ ملے، پھر افطاری کی تیاری بھی سکینہ کرتی۔ باجی نے کوئی اور ملازمہ نہیں رکھی تھی، اگر کبھی سکینہ مدد کے لیے اپنی بہن کو لاتی تو بھی باجی کسی قسم کی اضافی رقم ہاتھ پر نہ رکھتی۔ سکینہ اس کے باجود کہ تنخواہ کم، کام اور اوقاتِ کار زیادہ تھے، خوش تھی کہ اس کو ذکر اللہ کا موقع ملتا تھا۔ پانچ وقت کی نماز اور پھر قرآن کی تفسیر سمجھنے کو ملتی۔

بس خامی تھی تو یہ کہ باجی سکینہ کو درسِ قرآن کی سامعات میں شامل نہیں کرتی تھی۔ اس لیے بہت سی باتیں سننے کو رہ جاتیں۔ اس رمضان میں سکینہ تمام روزوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ قرآن کو بھی زیادہ سے زیادہ سمجھنا چاہتی تھی، مگر باجی مشین کی طرح سکینہ کو گھماتی رہتیں۔ سکینہ بھی سکون سے تراویح پڑھنا چاہتی تھی، مگر تراویح کی محفل میں خواتین کے ساتھ آئے بچوں اور دیگر کاموں کی بنا پر سکینہ کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا، پھر اپنے بہن بھائیوں کو جو سارا دن بچے ہوئے افطار کے سامان کا اور سب سے زیادہ سکینہ کا انتظار کرتے تھے کہ سکینہ ہی ان کی ماں تھی جو سارا دن کام کے بعد رات گئے بہن بھائیوں کو کھانا کھلاتی اور ان کی دن بھر کی روداد سنتی۔

رمضان میں سکینہ اور اس کے گھر والوں کو بھی اللہ نے طرح طرح کے پھل اور میوے کھلائے تھے، جس کی وجہ سے سکینہ روز رات میں سجدہ ریز ہو کر اللہ کا شکر بجالاتی اور باجی کے لیے بھی خوب دعائیں کرتی اور پھر کچھ ہی منٹ بعد وہیں سو جاتی کہ دن بھر کی تھکی ہوتی۔

27 ویں شب میں باجی نے پوری رات محفلِ سماع رکھ لی۔ رات بھر مہمان خواتین قرآن کی تلاوت سنتی رہیں، مگر سکینہ کو ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا پڑا کہ سو کام تھے۔

انہی مصروفیات میں رمضان کا آخری روزہ آپہنچا، لیکن باجی نے نہ تو تنخواہ دی نہ ہی ایسا کوئی عندیہ دیا۔ مجبوراً آخری روزے کو بہانے بہانے سے سکینہ نے باجی کے اِرد گرد کئی چکر کاٹے، مگر جب باجی ٹس سے مس نہ ہوئیں تو سکینہ نے تنخواہ مانگ لی کہ باجی بہن بھائیوں کے کپڑے بنانے ہیں۔

باجی جیسے باتیں سنانے کو تیار تھیں، اس لیے فوراً بولی کہ ابھی مہینہ کہاں پورا ہوا ہے؟ تنخواہ تو مہینے کے آخر میں دوں گی۔ سکینہ نے اُمید کا دامن نہ چھوڑا اور بولی، "باجی! تھوڑی عیدی ہی دے دو۔ بھائیوں کے لیے کچھ لے لوں، بہت ضد کر رہے تھے۔" باجی نے غصہ سے دیکھا اور بولی: "ابھی عید کا چاند چڑھا نہیں اور تمہیں عیدی چاہیے۔ ویسے بھی تم کوئی کام ڈھنگ سے کرتی نہیں، مجھے کتنی شرم آتی تھی روزے دار خواتین کے سامنے، پورے رمضان تم بار بار درس کی محفل میں بیٹھ جاتی تھیں۔ پورے رمضان تم نے یہ حرکتیں کی ہیں۔ مسز احمد نے کئی بار تمہیں نوٹ کیا، ایک نمبر کی ہڈحرام ہو۔ ایک کام کا بولو تم گھنٹوں لگا دیتی ہو، اوپر سے اتنا سامان کھانے کا لے جاتی ہو، فری میں میرے اتنے بڑے سرونٹس کوارٹر (کمرہ) میں رہ رہی ہو اور تنخواہ وقت سے پہلے چاہیے۔"

باجی بولتی جارہی تھیں اور سکینہ کے کانوں میں عالمہ صاحبہ کے الفاظ گونج رہے تھے کہ بہترین مسلمان وہ ہے جو دوسرے مسلمان کی عزّت کرے اور قرآن کہتا ہے دل دکھانے والی باتیں نہ کرو۔ جب کوئی مانگے اور دینے کی طاقت نہ ہو تو تب بھی نرمی سے منع کرو۔

عالمہ صاحبہ مسلسل بولے جارہی تھیں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے حقوق کے متعلّق سوال ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں بہترین وہ ہے جو چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں پر رحم کرے۔۔۔"

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹرا ساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی / پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

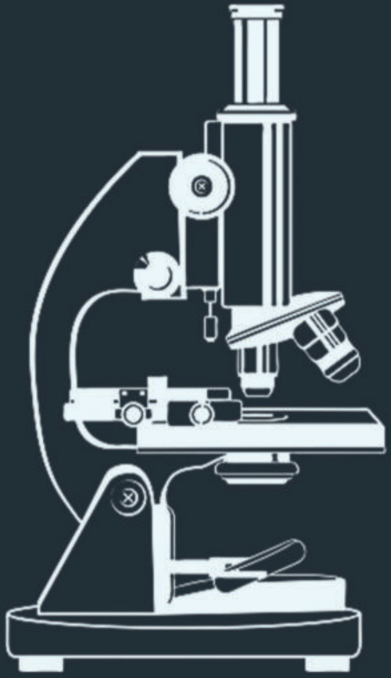

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراونڈ فلور، رائل ٹاورز مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی PSO پمپ سے متصل کراچی۔

اپنی زندگی میں دوسروں کو بھی شامل کریں

نمرہ امین

میرا آج اِس تحریر کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ایک دن کسی اور کے لیے سوچ کر تو دیکھیں!

کسی اور کی مدد کر کے تو دیکھیں، جو واقعی مدد کے لائق ہیں! اُن لوگوں کے بارے میں سوچیں جن کے پاس رہنے کو کوئی چھت نہیں ہے۔ کھانے کے لیے دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہے۔ پہننے کو کپڑے، جوتے نہیں ہیں اور پھر بھی وہ لوگ اللہ سے اُمید لگائے ہوئے اِس دُنیا میں زندہ ہیں۔ ایسے ہی کسی رستے پر، جہاں گرم دُھوپ، بارش، ہڈیوں پر سے گوشت نوچتی ہوئی سردی اور کڑکڑاتی آسمانی بجلی سب اُن تک پہنچتی ہیں، لیکن اُن کے پاس خود کو بچانے کے لیے کوئی سُہولیات موجود نہیں ہوتیں۔ بچے، بوڑھے، مرد، عورت سبھی ایک دوسرے کے ساتھ ان سب حالات میں اکٹھے رہتے ہیں۔ صرف یہی اُمید باندھے کہ ان کا ربّ اُن کی مدد کے لیے کوئی نا کوئی مسیحا ضرور بھیجے گا۔ وہ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کوئی ضرور اُن کی مدد کرے گا۔ وہ اپنے اللہ سے مانگتے ضرور ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ اُن کی اپنے بندوں کے ذریعے سے مدد کرے گا۔ اللہ نے ایسے لوگوں کو اِس حال میں رکھ کر باقی تمام لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ ساری بادشاہی اللہ ربُّ العزّت کے ہاتھ میں ہے، جو پوری کائنات کا مالک ہے، وہ جس کو جس مقام پر رکھنا چاہے جب مرضی رکھ سکتا ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو بہت رحم دل بنایا ہے۔ اُن کے دل میں محبت اور احساس پیدا کیا ہے، تاکہ وہ سب لوگوں کی مدد کر سکیں، سب کا دکھ، درد، تکلیف، غمی، خوشی، سب کو محسوس کر سکیں اور اِس میں شامل ہو سکیں، لیکن یہ دولت کا گھمنڈ ہی ہے جو انسان کے دل سے محبت، احساس اور ہمدردی ختم کر کے بس پیسے کی ہوس اور لالچ ہی زندہ رکھتا ہے۔

ہمیں چاہیے انسانیت کی خاطر ایک دوسرے کی مدد کریں اور آپس میں مل جُل کر پیار، محبت سُلوک کے ساتھ رہیں۔ پر کیا ہم انسان یہ سب سوچتے ہیں؟

کیا ہمارا ایمان اپنے ربّ پر مکمل ہے؟ کیا ہم لوگ انسانیت کا 10 فیصد بھی حق ادا کرتے ہیں؟ نہیں۔۔۔ ہم تو اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بس محنت کرنے میں مصروف ہیں۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ ایک دوسرے سے حسد کر کے اُن کو نیچا دِکھانے میں لگا ہوا ہے۔ ایک دوسرے کی ترقی، مال و دولت سے حسد کرتا ہے، گویا سب ہی اپنی اپنی دُنیا میں اپنے اپنے طریقوں سے زندگی گزارنے میں مصروف ہیں۔ کوئی کسی کے لیے مثبت سوچ نہیں رکھتا ہے۔

کسی کے لیے اچھے گُمان نہیں رکھتا ہے۔ کسی کا بھلا کرنا تو دور کی بات ہے، کسی کی مدد کرنا کوئی نہیں چاہتا ہے۔ کیا یہ ہم لوگوں کا فرض نہیں ہے کہ اگر اللہ نے ہمیں صاحبِ حیثیت بنایا ہے، ہمیں ہر نعمت عطا کی ہے تو اِس پر ہم اپنے ربّ کا شکر ادا کریں؟

اُس کے بندوں کی مدد کریں۔ ہم نے تو اپنے ربّ کے دیے ہوئے مال سے ہی اُس کے بندوں کی مدد کرنی ہے تو پھر ہم کیوں نہیں کسی کی مدد کرتے ہیں؟

کیوں نہیں، سب کی مجبوریوں، پریشانیوں کو سمجھتے ہیں؟ یہ مال تو ہمارا نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کا مال ہے جو اُس نے ہمیں عطا کیا ہے اور وہ جب چاہے واپس لے بھی سکتا ہے۔۔۔ پھر ہم اُس کے اِسی دیے ہوئے مال سے سب کی مدد کیوں نہیں کر سکتے ہیں؟

ہمارے مدد کرنے سے ہمارے مال میں تو اور زیادہ برکت ہو گی، مزید اضافہ ہو گا اور جس کی ہم مدد کریں گے، وہ بھی خوش ہو سکے گا۔ اُس کے دل سے دُعا نکلے گی، جس سے ہمارا ربّ ہم سے راضی ہو گا اور ہمیں مزید مال و دولت، عزت، سے نوازے گا۔ تو ہم ایک بار خود سے پوچھیں یا سوچیں؟ کہ یہ جس مال کے لیے ہم اپنوں سے لڑتے ہیں، اُن سے ناراض ہوتے ہیں، حسد کرتے ہیں، اُن کا حق مارتے ہیں، خود پر فخر کر کے مغرور ہوتے ہیں، لوگوں کی جانیں تک لے لی جاتی ہیں، اِسی دولت کے لیے۔۔۔ تو کیا یہ ہمارا مال ہے؟ کیا یہ ہم اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائیں گے؟

اِس مال سے تو اللہ نے ہمیں نوازا ہے، اِس پر تو اُن لوگوں کا بھی حق ہے، جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور وہ ہمارے آسرے، اُمیدوں پر زندہ رہتے ہیں کہ کوئی تو اُن کی مدد کرے گا۔

پھر کیوں نہیں ہم اپنے اندر احساس، جذبات، پیدا کر سکتے ہیں؟ اپنے دل کو اتنا وسیع نہیں کر سکتے ہیں کہ ہم دوسروں کی مدد کر سکیں؟ کیا ہمارا ایمان، یقین اور بھروسہ نہیں ہے اپنے رب پر کہ وہ ہمیں مزید عطا کرے گا۔۔۔؟

انسان بہت خود غرض، لالچی مطلبی اور مفاد پرست ہے، وہ صرف اپنے بارے میں سب سوچتا ہے اور اپنی زندگی، بس اپنے لیے جینا چاہتا ہے۔ اُس کو کسی اور سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اگر سوچا، سمجھا جائے تو ہمارا مال و دولت سب اسی دُنیا میں رہ جانا ہے۔ کوئی کچھ بھی ساتھ نہیں لے کر جائے گا، صرف وہ اپنے اچھے، بُرے، نیک، اعمال ساتھ لے کر اِس جہانِ فانی سے کُوچ کر کے اگلے سفر پر چلا جائے گا اور پیچھے بس اپنے کیے ہوئے اچھے کام اور اچھی یادیں چھوڑ جائے گا۔ وہ یادیں اور باتیں جو سب یاد کریں گے اور اُس انسان کے لیے دُعائے مغفرت کریں گے۔

جب وہ کسی کے ساتھ اچھا سُلوک ہی نہیں کرے گا تو اُس کے جانے کے بعد نہ ہی کوئی اُس کو یاد کرے گا، نہ کوئی دُعائیں کرے گا۔ ایسے لوگوں کو کوئی بھی یاد نہیں رکھتا ہے۔ آج کچھ لمحے کے لیے سوچیں۔۔۔ آپ اپنی زندگی کو کس طرح گزار رہیں ہیں، ہر گزرتے دن میں کیا سب کھو رہے ہیں اور کیا پا رہے ہیں؟

تب آپ کو اندازہ ہو گا آپ کی زندگی کیسے گزر رہی ہے اور یہ زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔ میں چاہتی ہوں میری اِس تحریر کو ہر کوئی پڑھ کر ضرور سوچے کہ وہ اپنی زندگی کو کیسے گزار رہا ہے اور کیسے گزار کے مزید بہتر بنا سکتا ہے؟

کیا وہ اپنے سب حقوق پورے کر رہا ہے؟ اُس کی وجہ سے کسی کی دل آزاری تو نہیں ہوئی؟

بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ہر انسان کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں نہ ہی وہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ بس اپنی زندگی میں اپنے طریقے سے مصروف رہتے ہیں۔ صرف اپنے بارے میں سوچ کر، زندگی کے معنوں کو سمجھیں اور اُس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ آپ خود بھی خوش اور خوش حال رہیں گے اور باقی سب کو بھی خوش رکھ سکیں گے۔ کوشش کریں کسی کی آنکھوں سے کوئی آنسو آپ کی وجہ سے نہ نکلنے پائے اور جب بھی، جو بھی آپ کسی کو دیں، خوشیاں ہی دیں ہمیشہ! اللہ بھی آپ سے راضی اور خوش رہے گا ہمیشہ۔۔۔

شاعر نے بھی کیا خوب کہا کہ

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

سنہرے ہاتھ

محمد افضل

"اللہ تعالیٰ کا بے شمار شکر و احسان ہے بھائی کہ اس کے لطف و کرم اور مہربانی کی چادر نے مجھ حقیر پر تقصیر کے عیبوں کو چھپایا ہوا ہے، ورنہ میں کیا اور کیا میرا ہنر!" حافظ حفیظ اللہ نے بڑی عاجزی سے اپنے گھر آئے مہمان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کیا۔

حافظ حفیظ اللہ لکڑی کا کام کرنے والے بہت مشہور و معروف دست کار تھے۔ ان کے ہنر کی ہر کوئی تعریف کرتا تھا۔ انھیں جو بھی کام ملتا اسے اتنی محنت اور دیانتداری سے کرتے، گویا لکڑی میں جان ڈال دیتے۔ ان کے بنائے گئے پھول بوٹوں پر حقیقت کا گمان ہوتا۔

اکثر و بیشتر ایسا ہوتا کہ راہ چلتے کوئی انجان شخص بھی انھیں مل جاتا، ان کے کام کی، ہنر مندی کی تعریف کرتا تو وہ مغرور ہونے اکڑنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو شخص جتنا اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اللہ اسے اور نوازتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ حفیظ اللہ کے سارے بچے پڑھ لکھ کر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے تھے، لیکن رزق حلال پر پرورش پانے والے ان افسروں کو کبھی بھی اپنے ترکھان والد کا تعارف کراتے ہوئے کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی۔

آج صبح ایک بِن بلایا مہمان حافظ حفیظ اللہ کے گھر آیا تو حافظ صاحب نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور جب اس نے حافظ صاحب کو بتایا کہ وہ میلسی سے ان کی ہنر مندی اور دست کاری کا شہرہ سن کر آیا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ حافظ صاحب اس کی کوٹھی پر بھی لکڑی کا کام کریں تو حافظ صاحب نے کہا: "بھائی معذرت! چاہے آپ مجھے جتنا بھی معاوضہ دیں، میں پہلے سے جاری کام چھوڑ کر آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔" بالآخر یہ طے ہوا کہ حافظ صاحب اپنا جاری کام مکمل کر کے اگلے ماہ کی بیس تاریخ کو اس کے ساتھ چلیں گے۔

آخر اگلے مہینے کی بیس تاریخ بھی آ گئی اور وہ شخص پھر حافظ صاحب کے گھر آ دھمکا۔

حافظ صاحب اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوئے تو اس نے حافظ صاحب سے بار بار پوچھا:

"آپ نے اپنے تمام اوزار لے لیے ہیں؟ آری، ہتھوڑی، رندہ، گنیا، تیشہ، چورسی، بسولہ۔۔۔"

حافظ صاحب کو اس کے اس طرح بار بار پوچھنے سے اُلجھن تو ہوئی، لیکن انھوں نے غصہ میں آنے کی بجائے بڑے تحمّل سے جواب دیا: "جی بھائی! سب کچھ لے لیا ہے، آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ سے کسی اوزار کا مطالبہ نہیں کروں گا۔" آخر وہ میلسی جا پہنچے۔

وہاں جا کر وہ شخص حافظ صاحب کو ایک ویران سی ہاؤسنگ سوسائٹی میں لے گیا۔ اس نے جھپٹ کر حافظ صاحب سے اوزاروں کا تھیلا چھیننے کی کوشش کی۔

حافظ صاحب اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے، اس لیے وہ یک دَم گلی میں گر گئے اور تھیلا ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

اس شخص نے تھیلا اٹھا لیا اور ہنستے ہوئے بولا: "مجھے ان اوزاروں کی عرصہ سے تلاش تھی۔ میں بھی لکڑی کا کاریگر ہوں۔ آپ کے ان اوزاروں کو استعمال کر کے میں بھی خوب صورت چیزیں بناؤں گا، خوب مشہور ہو جاؤں گا اور بہت پیسہ کماؤں گا۔"

حافظ صاحب نے کہا: "آپ مجھ سے یہ اوزار مانگ لیتے تو میں آپ کو ویسے ہی دے دیتا۔ خوب صورتی اور کمال ان اوزاروں میں نہیں، بلکہ میرے رب نے میری محنت، لگن اور خلوص کو دیکھتے ہوئے میرے ہاتھوں میں رکھا ہے۔ میں اللہ سے بے پناہ دولت کی بجائے حلال اور طیّب رزق برکت کے ساتھ طلب کرتا ہوں۔ تم مجھ سے میرے اوزار چھین سکتے ہو، لیکن میرا نصیب نہیں چھین سکتے۔ یہ اوزار رازق نہیں بلکہ اللہ رازق ہے۔"

وہ شخص بولا: "جب میں چھین سکتا ہوں تو مانگوں کیوں؟ اب تو میں چھین ہی چکا، اس لیے اپنے فلسفے اپنے پاس رکھو۔" وہ اوزاروں کا تھیلا اٹھا کر بھاگا، لیکن اس کا پاؤں پھسلا اور وہ کھلے مین ہول میں جا گرا۔

اس کی تکلیف سے چیخیں نکل گئیں۔ حافظ صاحب نے بڑی مشکل سے اسے کھینچ کھانچ کر باہر نکالا۔ تھوڑی دیر میں ایک رکشہ ادھر آ نکلا۔ حافظ صاحب نے اس شخص کو اٹھا کر رکشہ میں سوار کرایا اور تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال لے گئے۔

رکشہ ڈرائیور نے کہا: حافظ صاحب! آپ کے ہاتھ گندے ہو گئے ہیں۔ حافظ صاحب ہاتھ دھو رہے تھے کہ اس شخص نے حافظ صاحب کے ہاتھ چوم لیے اور کہا: "مجھے آج پتا چلا کہ یہ ہاتھ تو سنہری ہاتھ ہیں بلکہ سونے سے بھی قیمتی! آج سمجھ آئی کہ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ کا کیا مفہوم ہے۔"

نیم کے درخت اور گلہری کے درمیان مکالمہ

راحمین ایاز

نیم کا درخت: السلام علیکم! کیسی ہو گلہری؟ میں دیکھ رہا ہوں آج کل تم میرے ساتھ رہنا زیادہ پسند کرتی ہو؟

گلہری: وعلیکم السلام، نیم بھائی! اللہ کا شکر ہے، میں ٹھیک ہوں۔ جی آپ درست فرما رہے ہیں، کیوں کہ آج کل گرمی بہت زیادہ ہو گئی ہے۔

نیم کا درخت: تمہیں میرے ساتھ وقت گزارنا کیسا لگتا ہے؟ حالاں کہ اب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔

گلہری: بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ کی ٹھنڈی چھاؤں میری روح کو سکون و فرحت بخشتی ہے۔ نیم بھائی! ہماری طرح انسان بھی آپ کے وجود سے فوائد حاصل کرتے ہیں؟

نیم کا درخت: جی بالکل! میرے تنے، جڑ، پتے، چھال، بیج وغیرہ انسانوں کے لیے بہت مفید ہیں۔

گلہری: کیا آپ تفصیلاً اپنے فوائد بتا سکتے ہیں؟

نیم کا درخت: میرے کڑوے پتے چہرے اور گرمی کے دانوں کے لیے، تنے اور جڑیں بالوں کے تیلوں کے لیے، چھال اور بیج دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں اور بیج پک کر بہت میٹھے ہوتے جو کہ پہلے دور کے بچے بہت شوق سے کھاتے تھے۔

گلہری: میں دیکھ رہی ہوں آج کا انسان دیگر درختوں کے ساتھ آپ کے وجود کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

نیم کا درخت: (اُداس ہوتے ہوئے) جی ایسا ہی ہے، میں انسانوں کو بہترین آب و ہوا فراہم کرتا ہوں، لیکن اس نادان انسان کو کون سمجھائے۔

گلہری: بے شک آپ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، آپ کے بغیر جنگل بھی ادھورا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو آپ کا قدردان بنائے۔

نیم کا درخت: آمین۔

"امل! تم آج بھی مدرسے نہیں گئی؟" مزمل بھائی کی آواز اسے چونکا گئی۔ یہ کوئی چوتھا شخص تھا، جس نے اس سے یہ سوال کیا تھا۔

"نہیں بھائی! سوچا ایک دن مزید آرام کرلوں۔" بظاہر اس نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا۔

"اچھا اچھا!" بھائی جلدی میں لگتے تھے، اس لیے انھوں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ "لیکن کیا وہ واقعی آرام کرنا چاہتی تھی یا کسی اَن جانے بوجھ تلے دب گئی تھی؟" بھائی نے دل ہی دل میں سوچا۔

بھابھی کو بھی یہ بات بہت کھٹک رہی تھی کہ امل تو ایک دن بھی چھٹی نہیں کرتی اور شادی سے واپسی کو چار دن گزر چکے تھے، لیکن وہ مدرسے نہیں جا رہی۔ آخر کیوں؟ کیا وجہ تھی؟

امل ایک بہت ذہین اور دین میں دل چسپی رکھنے والی لڑکی تھی۔ خصوصاً اسے تفسیرِ قرآن پڑھنے کا بہت شوق تھا۔

میٹرک کے بعد اس نے اپنے والدین سے جامعہ میں داخلہ لینے کے لیے اجازت طلب کی، جسے انھوں نے فی الحال یہ کہہ کر ملتوی کر دیا کہ پہلے وہ اپنی عصری تعلیم مکمل کرلے، پھر جامعہ پڑھنے جائے۔

امل نے اس وقت اصرار نہیں کیا، پر وہ دل ہی دل میں کوئی وسیلہ بن جانے کی دعا کر رہی تھی، گو کہ اسے اپنے والدین کی بات سے اتفاق تھا کہ مکمل درسِ نظامی وہ بعد میں ہی کرے گی، لیکن ابھی وہ صرف تفسیرِ قرآن پڑھنا چاہتی تھی اور پھر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اسے معلوم ہوا کہ ایک عالمہ (جو حال ہی میں ان کے پڑوس میں بیاہ کر آئی تھیں) درسِ قرآن دینے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ امل ایک بار ان سے مل چکی تھی اور پہلی ملاقات میں ہی ان کی گرویدہ ہوگئی۔ وہ بہت شوق سے ان کے درس میں جانے لگی۔ وہ بہت اچھے اور عام فہم انداز میں ان کو پڑھاتیں۔ بعض بچیاں سننے پر اکتفا کرتیں، بعض نوٹس بناتیں اور بعض نے باقاعدہ رجسٹر پر سارے اسباق لکھنا، معلّمہ کو یاد کر کے سنانا بھی شروع کر دیا اور ان میں سرِفہرست امل کا نام تھا۔

وہ بہت محنت اور لگن سے پڑھنے والی لڑکی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی، جو دینی اداروں میں اپنا مقصد طے کر کے آتے ہیں اور آخر تک وہ اسی مقصد پر ڈٹے رہتے ہیں۔ ان دینی اداروں سے جڑنے کا مقصد سوائے اللہ کی رضا کے اور کیا ہے؟

معلّمہ کا گھر دو منزلہ عمارت تھی، جس کا اوپر والا حصہ انھوں نے درس و تدریس کے لیے مختص کر لیا اور اس کا نام "مدرسہ نور الھدیٰ للبنات" رکھا۔

امل کو تفسیر پڑھتے ایک سال مکمل ہو چکا تھا۔ پڑھائی کی برکت اور کچھ معلّمہ کی صحبت کا اثر تھا کہ اس کے دل میں اللہ ربُّ العزّت کی محبت اور دین کی سمجھ بڑھتی گئی۔ معلّمہ کی بے پناہ شفقت اور ان کی تعلیمات اسے ہر روز کچھ نیا سکھاتی۔ مدرسے کے بعد اس کا جامعہ میں داخلہ لینے کا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا۔

پچھلے ہفتے ایک چچازاد بھائی کی شادی کے سلسلے میں امل دوسرے شہر گئی۔ اس کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے اسباق چھوڑ کر جائے، مگر صلہ رحمی بھی تو فرض ہے! ورنہ تو چچا لوگ بہت ناراض ہوتے اور پھر وہ گھر میں اکیلے کیسے رہے گی؟ وہ خود کو خود ہی سمجھا رہی تھی۔ بالآخر وہ شادی میں شرکت کے لیے چلی گئی۔

ان کے خاندان والے کافی ماڈرن تھے۔ (شروع میں تو وہ بھی اس آزادی اور بے راہ روی کو پسند کرتی، موسیقی اور گانوں کی شوقین! وہ ان لوگوں میں سے تھی، جن کو موسیقی سن کر سکون ملتا ہے۔ بہت سے سنگرز کی وہ فین تھی) للذا وہاں کافی ہنگامہ برپا تھا۔ موسیقی کی دھنیں، رقص کرتے لوگ اور ان کا بے فکری سے ہنسنا امل کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس بات کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا کہ موسیقی کا شوقین آدمی، نیک لوگوں کے ساتھ مل کر کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو جائے، اس کے اندر موسیقی سے نفرت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ کئی سال نیکی کی زندگی گزارنے کے بعد اگر کبھی وہ بازار یا دکان کے قریب سے گزرے اور اسے کوئی پرانا گانا سنائی دے تو تھرک جاتا ہے۔ ایک لمحے میں ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ پرانی یادیں تازہ ہونے لگتی ہیں۔ اس وجہ سے موسیقی بہت زیادہ خطرناک ہے۔ بچپن کے گانے پچاس میں بھی نہیں بھولتے، بلکہ موسیقی کے جراثیم مرنے تک بندے کے دماغ میں موجود رہتے ہیں۔

امل کے ساتھ بھی شادی کے دوران یہی ہو رہا تھا، جب تیز آواز میں گانے چل رہے تھے تو اس کا دل پھڑک رہا تھا، گو شیطان نے اسے بہکانے کے لیے اپنے سارے چیلے ہی روانہ کر دیے ہوں، جو اس کے اندر یہ کئی طرح کے وساوس ڈال رہے تھے۔

"دین پر عمل بہت مشکل ہے۔ استقامت بہت مشکل ہے۔ تم پوری زندگی نہیں نبھا پاؤ گی۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم اس میدان سے دور ہو جاؤ۔" شیطان نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"امل! تم اتنی سنجیدہ کیوں ہو؟ آؤ، ڈانس کرو! انجوائے کرو!" ایک کزن نے ہنستے ہوئے اسے کھینچنے کی کوشش کی۔

"نہیں، مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا۔" اس نے خود کو سنبھالا اور نرمی سے جواب دیا، لیکن دل میں وسوسے اٹھنے لگے۔ کیا وہ واقعی ہر چیز سے محروم رہ گئی ہے؟ کیا دین پر عمل کرنا اتنا مشکل ہے کہ اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ دے۔

شادی تو جیسے تیسے گزر گئی۔ اس کو بالکل بھی مزہ نہیں آیا۔ وہ بہت عجیب کیفیت کا شکار ہوگئی۔ کیا اب اس کی ہر شادی ایسے ہی گزرے گی؟ وہ کبھی کھل کر انجوائے نہیں کر پائے گی، جیسے اس کی کزنیں کر رہی تھیں؟ کیا واقعی ہمارا دین اتنا مشکل ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر، تو پھر۔۔۔

"چھوڑ دو یہ سب! اور اپنی پرانی زندگی میں واپس آ جاؤ۔" ایک کریہ مخلوق نے دوبارہ اس کے

واپسی

شفق انجم

کانوں میں سرگوشی کی۔
شیطان نے بالآخر اپنا کام کر دِکھایا، اس نے ایک طالبِ علم کو بہکا دیا۔

واپسی پر امل خود کو بدلی ہوئی محسوس کرنے لگی۔ اس نے اپنے دل پر ایک بوجھ سا محسوس کیا، ایک ناامیدی، جو اس سے اس کا مقصد چھین رہی تھی۔ وہ مدرسے نہیں جا رہی تھی، نا ہی کسی کے سامنے اپنی کیفیت بیان کرنے کا حوصلہ تھا۔ اس لیے وہ بہانے بنا رہی تھی۔

"امل! تم مدرسے کیوں نہیں جا رہیں؟ وہاں تو تمہارا بہت دل لگتا تھا، پھر اب کیا ہوا؟" صبح جب وہ ناشتہ لینے باورچی خانے میں داخل ہوئی تو بھابی نے اسے مخاطب کیا۔

"آخر مسئلہ کیا ہے آپ لوگوں کے ساتھ؟ ہر پانچ منٹ بعد کوئی نہ کوئی آ کر یہی سوال دہراتا ہے۔ میں نہیں جاؤں گی، اب کبھی نہیں جاؤں گی۔" وہ غصے سے کہہ کر پیر پٹختی باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔

بھابی نے امل کے اس رویّے کے متعلق اپنی ساس (امل کی امی) سے بات کی۔ پہلے تو وہ بھی بہت پریشان ہو گئیں، پھر بعد میں وہ سمجھ گئیں کہ لوگوں کی باتوں کی وجہ سے امل کا دل بُرا ہونے لگا ہے۔ وہ شادی میں اس کے ساتھ تھیں۔ انھوں نے معلّمہ کو کال کر کے ساری صورتِ حال کی تفصیلی اطلاع دی۔ معلّمہ نے کہا کہ وہ امل سے خود بات کرنا چاہتی ہیں، پر امل ان سے بات کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ وہ آخر کس طرح ان کا سامنا کر سکتی تھی؟ امی کے بہت اصرار پر اس نے بالآخر فون پر بات کرنے کی حامی بھر لی۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بیٹا! کیسی ہیں آپ؟" انھوں نے سلام میں پہل کی۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ م۔۔م۔۔میں ٹ۔۔ ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟ جانے کیوں اس کی آواز کانپی۔ وہ بہت کم گو تھی۔ اس کی کمیونیکیشن اسکلز اچھی نہیں تھیں۔ اب معلّمہ اسے سمجھائیں یا مدرسے آنے کا کہیں تو وہ کس طرح ان کو انکار کرے گی؟ اس کے ذہن میں طوفان برپا تھا، پر معلّمہ کا اگلا سوال بالکل غیر متوقع تھا۔

"بیٹا! ایک کام تھا آپ سے، کر دیں گی آپ؟" انھوں نے اپنے ازلی شفقت بھرے انداز میں پوچھا۔

"جی معلّمہ میں کر دوں گی، پر میں مدرسے نہیں آؤں گی۔" اس نے ہمت مجتمع کر کے کہہ ہی ڈالا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! آپ تین دن میں ایک لاکھ مرتبہ استغفار کی تسبیح پڑھ دیں، پھر جو آپ کا دل چاہے، وہ کریں۔" امل کو اس طرح کے ردِّعمل کی توقع ہرگز نہیں تھی، پر وہ دل ہی دل میں بے حد مسرور ہوئی۔ تین دن تو کیا وہ ایک ہی دن میں مکمل کر لے گی، پھر وہ آزاد ہے۔

اس نے کال بند کی تو مغرب کی آذان سماعتوں سے ٹکرائی۔ نماز تو وہ مدرسے جانے سے پہلے بھی پڑھا کرتی تھی۔ (یہ اور بات تھی کہ اب آیات کا ترجمہ سمجھنے کی وجہ سے اس کی نماز میں خشوع وخضوع آ گیا تھا۔) اور اب بھی مدرسے نہ جانے کے باوجود بھی وہ اتنی مسلمان تو تھی کہ اس نے کوئی نماز قضا نہیں کی۔

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد تسبیح ہاتھ میں پکڑے، وہ جائے نماز پر ہی بیٹھی رہی اور استغفار کا وِرد کرنے لگی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ

میں مغفرت طلب کرتی ہوں اس اللہ سے، جو بڑی عظمت والا ہے، وہ اللہ جو ہمیشہ زندہ رہنے والا، عالم کو سنبھالنے والا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتی ہوں۔

وہ پڑھتی جا رہی تھی مغرب سے عشاء اور پھر رات کا تقریبًا ایک تہائی پہر گزر چکا تھا۔ پتا نہیں کب اس کی آنکھوں سے آنسوں بہنا شروع ہوئے، جو اس کے دامن تک کو بھگو گئے۔ اسے کمرے میں اپنی ہچکیاں سنائی دینے لگیں۔ دل تڑپ رہا تھا اور زبان پر وِرد جاری تھا۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ

اپنی ہچکیوں کے ساتھ اسے کچھ اور بھی سنائی دینے لگا،

حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس وقت بندے نے کوئی گناہ کیا تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے، اگر وہ توبہ کر لے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ کرتا رہا تو اس کے دل میں سیاہ نقطے بڑھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کا دل مکمل طور پر سیاہ ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گناہ دل کو سیاہ کر دیتے ہیں، لیکن توبہ اور استغفار سے دل صاف ہو سکتا ہے۔ بعض گناہ اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کے بعد توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور نیکی سے دل اُچاٹ ہونے لگتا ہے۔ یہ بڑی بدبختی ہے، جبکہ گناہ کے بعد توبہ کی توفیق عطا ہونا، بڑی نیک بختی ہے۔ چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سب بنی آدم خطاکار ہیں اور خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔" (صحیح بخاری و مسلم)

لہٰذا جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ معلّمہ کی کہی باتیں، اسے اپنی سسکیوں کے درمیان سنائی دیں۔

"یا اللہ! یہ میں کیا کرنے جا رہی تھی؟ میں آپ کو چھوڑ کر، وقتی لذّتوں کے پیچھے بھاگے جا رہی تھی؟ میں نے شادی میں موسیقی سننے کا گناہ کیا، میں نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی پر۔۔۔ پھر بھی وہ دُھنیں مجھے اپنی طرف مائل کر رہی تھیں، میں بہک گئی۔ میں شیطان کے بہکاوے میں آ گئی۔ میں نے اسے جیتنے دیا، اپنے دل میں نفاق کو پروان چڑھنے دیا۔ میں نے لوگوں کی باتوں کا اتنا اثر لے لیا کہ میں آپ کو چھوڑنے جا رہی تھی۔ آپ کے قرآن کو چھوڑنے جا رہی تھی۔ میرے ربّ! میرے ربّ! مجھے معاف فرما۔ تو نے مجھے اپنا دین پڑھنے کے لیے چنا، قرآن پڑھنے کے لیے چنا، مجھے اس نعمت کے بعد محرومی سے بچا، یا اللہ! اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہو گی کہ میں ایک عظیم الشّان ہستی کو چھوڑ کر حقیر دنیا کے پیچھے بھاگوں۔ میں اس شرمندگی کے ساتھ کیسے جیئوں گی؟ میں تیری بندی ہوں تُو میرا مالک ہے، میرے دل کو اپنی حفاظت میں لے لے۔" روتے روتے اپنے ربّ سے مناجات کرتے، بخشش طلب کرتے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتا ہی نہ چلا۔

اللہ کے حضور بخشش کی مسلسل درخواست کی جا رہی تھی اور وہ نظر انداز کر دے یہ تو ممکن نہیں۔ اس نے اپنی لاڈلی بندی کی التجائیں اور اس کے آنسوں قبول کر لیے۔ اس کے دل پہ لگے سیاہ نقطے مٹ چکے تھے۔

جب آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو منوں بوجھ سے آزاد پایا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے عشاء کی نماز ادا نہیں کی۔ جلدی سے اُٹھ کر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نیت باندھ کر اس نے تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔

"اللہ اکبر" اللہ سب سے بڑا ہے۔

آنسو اس کی آنکھوں کو پھر بھگونے لگے۔ نماز مکمل کر کے اس نے دعا مانگی ہدایت کے بعد گمراہ ہونے سے پناہ مانگی۔

مایوس نہ ہوں، اہلِ زمیں اپنی خطا سے
تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دعا سے

آئینہ

سلمیٰ نور

اشفاق احمد ایک پڑھا لکھا، نفیس طبیعت انسان تھا۔ گھر سے نکلتے وقت آئینے میں اپنا جائزہ لینا اس کے بچپن کی عادت تھی۔ اپنے کپڑوں پر ایک شکن بھی اسے گوارا نہ تھی۔ اٹھتے بیٹھتے جگہ کی پاکیزگی اور صفائی کا بھی بہت خیال رکھتا۔ گھر کے ماحول کی وجہ سے نماز روزے کی پابندی کرتا اور صدقہ خیرات بھی خوب کرتا۔ اسے سب سے ملنا ملانا پسند تھا، وہ تقریبات میں خود بھی جاتا اور اپنے یہاں بھی رونق لگائے رکھتا، وہ جس محفل میں چلا جاتا وہاں دنیا کا ہر موضوع زیر بحث آتا۔ سیاست ہو یا ریاست کوئی بھی اس کے تبصروں سے بچ نہیں پاتا تھا۔ دوسروں کے کردار ہوں یا افکار اشفاق کی تنقیدی سوچ کی زد میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس کا مؤقف تھا کہ جب بھی غلط ہوتے دیکھو تو فوراً ٹوک دو، کیوں کہ برائی دیکھ کر چپ رہنے والے بھی اس میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے کسی میں کوئی غلط بات دیکھتا تو کھل کر اظہار کر دیا کرتا۔

ایک دن اتفاق سے اس نے پڑوس والے حاجی صاحب کے بیٹے عرفان کو کچھ لڑکوں کے ساتھ سگریٹ نوشی کرتے دیکھ لیا، بس پھر کیا تھا برائی کی نشان دہی کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اگلے دن جمعہ تھا، نمازِ جمعہ کے بعد مسجد کے باہر حاجی صاحب چند لوگوں سے مل رہے تھے۔ ان کے ساتھ محلے ہی کے عثمان اور بیرونِ ملک سے تعطیلات پر آئے ہوئے صہیب بھی موجود تھے۔ اشفاق نے جیسے ہی انھیں دیکھا تو اسے اپنا فرض یاد آگیا۔

سلام کے بعد کہنے لگا: ”یہ کیا حاجی صاحب! آپ کا صاحبزادہ تو آپ کے قابو میں بالکل نہیں رہا۔ نماز روزہ اپنی جگہ، لیکن اولاد کی تربیت بھی تو والدین پر فرض ہے۔“ اشفاق کی یہ بات سبھی کو نامناسب اور بے محل لگی، لیکن اس کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی کچھ نہ بولا۔ عثمان صاحب اس کی عادت سے واقف تھے، اس لیے سمجھ گئے کہ پھر کوئی تنقید کی زد میں آنے والا ہے۔ انھوں نے پوچھ ہی لیا، ”کیا ہوا؟ کیا دیکھ لیا آپ نے؟“ حاجی صاحب پہلے ہی ٹھٹھک سے گئے تھے اور کچھ کچھ گھبراہٹ بھی ان پر طاری ہونے لگی تھی۔ انھوں نے حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اشفاق کی طرف دیکھا، گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ رہے ہوں ”اب کہہ دو جو کچھ کہنا ہے۔“

عثمان صاحب کے پوچھنے اور حاجی صاحب کے متوجّہ ہونے کی دیر تھی، اشفاق امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے زعم میں سب کے سامنے سارا قصہ سنا گیا کہ کیسے اس نے حاجی صاحب کے بیٹے عرفان کو اوباش قسم کے لڑکوں کے ساتھ سگریٹ نوشی کرتے دیکھا تھا اور اپنا تجزیہ بھی پیش کر دیا کہ جس انداز میں لڑکے کش لگا رہے تھے، وہ عام سگریٹ تو بالکل نہیں لگ رہے تھے۔

حاجی صاحب کی پیشانی دھیرے دھیرے عرق آلود ہونے لگی۔ وہ بار بار رُخ بدلنے کی کوشش میں مزید گھبراہٹ کا شکار ہوتے چلے گئے۔ اسی پریشانی کے عالم میں جو الفاظ ان کے کانوں سے ٹکرائے، وہ انھیں مزید شرمندہ کر گئے۔ اشفاق کہہ رہا تھا: ”اولاد والدین کے لیے صدقۂ جاریہ ہوتی ہے۔ اگر ان کی تربیت نہ کی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دیں گے۔“ صہیب نے کچھ کہنا چاہا تو ہاتھ کے اشارے سے انھیں روک کر کہنے لگا: ”بھئی! میں برائی دیکھ کر خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ میرا تو فرض بنتا تھا آپ کو بتانا سو میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔“ اس کے بعد اس نے سب سے مصافحہ کیا اور فرض کی ادائیگی سے مسرور اپنی راہ چل دیا۔

باقی سب وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ حاجی صاحب مارے شرمندگی کے نظریں نہیں اٹھا پا رہے تھے۔ انھوں نے بھی دل گرفتگی سے سلام کیا اور تھکے تھکے قدموں سے اپنے گھر کا رُخ کیا۔ صہیب خاموشی سے اشفاق کی پُرجوش نصیحتیں سنتا رہا تھا اور حاجی صاحب کی پیشانی اور چہرے پر مدّوجزر کے اثرات بھی دیکھ چکا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں ارادہ کیا کہ وہ اشفاق سے ایک اور ملاقات ضرور کرے گا۔

اگلے دن صہیب اشفاق کے گھر پہنچا، وہ اسے باہر لان میں ہی مل گیا۔ بڑی زندہ دلی سے خوش آمدید کہا اور گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ ابھی وہ حال احوال ہی پوچھ رہے تھے کہ حاجی صاحب کے گھر سے تیزی سے کچھ لوگوں کو نکلتے دیکھا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ حاجی صاحب دل میں تکلیف کی شکایت کر رہے ہیں، انھیں بہت زیادہ گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔

حاجی صاحب کو ایمرجنسی وارڈ میں پہنچایا گیا اور فوراً آکسیجن لگائی گئی۔ ان کے دل کی گھٹن اور تنگی بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ دل کا دورہ ہے، کچھ ہی دیر میں صہیب اور اشفاق بھی چند اور دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ ایمرجنسی میں ملاقات تو ہو نہیں سکتی تھی، دروازے کے شیشے سے ہی سب نے انھیں دیکھا اور کچھ دیر بعد باقی سب دوست رخصت ہو گئے۔

صہیب نے یہ موقع غنیمت جانا اور جس مقصد کا دل میں تہیہ کر کے گھر سے نکلا تھا، اس کے لیے اشفاق کو لے کر باہر بنچ پر آگیا۔ اشفاق نے افسوس سے کہا کہ حاجی صاحب نے بیٹے کی حرکت دل پر لے لی۔ آج کل حالات ہی کچھ اس نہج پر جا رہے ہیں کہ سانس لینا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔

یہ سنتے ہی صہیب کو اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کہا: ”اشفاق بھائی! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آج کل حالات اور لوگوں کے رویے ایسے ہو گئے ہیں کہ ہر بندہ ہی اپنے دل میں گھٹن اور تنگی محسوس کرتا ہے۔“ اس نے اشفاق کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آپ کی باتیں بالکل ٹھیک ہیں اور اس دن جو آپ نے کہا وہ بھی غلط نہ تھا کہ انسان کو اپنے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور گھر والوں کا بھی ذمہ

داربنایا گیاہے، لیکن ایک بات جو میں آپ کو کہنا چاہتاہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم کسی میں کوئی برائی دیکھیں تو اسے سر عام بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اگر ہمارا مقصد اصلاح ہے تو پھر اس برائی کی تشہیر کیوں؟

شاید یہ ہسپتال کے ماحول کا اثر تھا کہ اشفاق خاموشی سے صہیب کی باتیں سنتا رہا۔ اس پر پہلی بار کسی نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کوشش کی تھی، ورنہ آج سے پہلے تو یہ فریضہ وہ خود سر انجام دیا کرتا تھا۔

صہیب نے مزید کہا پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ "مؤمن، مؤمن کا آئینہ ہے۔"

یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ جب کوئی مؤمن اپنے کسی مؤمن بھائی میں برائی دیکھے تو اسے تنہائی میں سمجھائے، بالکل ویسے ہی جیسے آئینہ ہمارے چہروں کے عیب اور داغ دھبے دیکھ کر سب کے سامنے ان کی تشہیر نہیں کرتا۔ ہمیں بھی محفل میں ایسی باتیں کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ ہم کہیں بھی جانے سے پہلے آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، بال سنوارتے ہیں، اپنا جائزہ لیتے ہیں وہ خاموشی سے ہمارے نقائص، ہمارے عیوب اور ہماری بے ترتیبی کی نشاندہی کرتا ہے، کسی اور کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتا، یہاں تک کہ ہمارے فوراً بعد کوئی اور اسی آئینے کے سامنے کھڑا ہو جائے تب بھی وہ اسے ہمارے بارے میں رتی بھر پتا نہیں چلنے دیتا۔ اس کی نشاندہی پر ہم خود کو درست کر لیتے ہیں، سنوار لیتے ہیں اور اسی آئینے کی وجہ سے ہماری شخصیت دوسروں کے سامنے صاف شفاف رہتی ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مومن کو بھی ہونا چاہیے، کسی میں کوئی غلطی کوتاہی نظر آئے تو اس کی اصلاح کی خاطر نشاندہی ضرور کرے، مگر بالکل آئینے کی طرح شرمندہ کیے بغیر۔۔۔ جیسے ہم خود کو سنوار لیتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ بھی علیحدگی میں اپنا آپ سنوار لے۔ یہی خیر خواہی ہے!

صہیب کی باتیں اشفاق کے دل پر اثر کر گئی تھیں، آخر وہ ایک دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا سمجھ دار انسان تھا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس کے لب معمولی سی جنبش کے ساتھ حرکت میں آئے اور صہیب کی سماعتوں نے سنا

اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ "دین تو ہے ہی خیر خواہی (کا نام)"

صہیب سمجھ گیا یہ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی آواز تھی۔

ستّار العیوب اور غفّار الذّنوب رب کے بندے، پتھر کھا کر دعائیں دینے والے نبی رحمت ﷺ کے امتی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ غلطی کا احساس ہو جانے پر پلٹنے میں دیر نہیں کرتے۔

وہ فوراً وہاں سے اٹھا اور تقریباً دوڑتے ہوئے ایمر جنسی روم تک پہنچا۔ وہ حاجی صاحب سے بات کرنا چاہتا تھا، ان سے اپنے دل شکن الفاظ پر معافی مانگنا چاہتا تھا۔ دل تھا کہ ایک ہی دعا کیے جا رہا تھا کہ بس! ایک موقع مل جائے۔ آئندہ وہ ہمیشہ دوسروں کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوتا رہے گا۔

صہیب بھی پیچھے پیچھے آیا تھا۔ اشفاق کی یہ حالت دیکھی تو واپسی کے لیے مڑ گیا۔ جاتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک مطمئن مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنا فرض ادا کر چکا تھا۔

اشفاق نے دروازے کے شیشے میں سے اندر دیکھا آکسیجن بدستور لگی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ حاجی صاحب کی یہ گھٹن یہ تکلیف کیسے دور ہو گی۔ وہ ہسپتال کی مسجد میں چلا گیا۔ وضو کیا اور نوافل ادا کر کے دیر تک سجدے میں اپنے رب سے دعائیں کرتا رہا۔

ندامت کے آنسو اشفاق کے دل پر گر رہے تھے اور پانی۔۔۔ نمکین ہو یا میٹھا! اپنا راستہ خود ہی بنا لیتا ہے۔ ہر آلائش کو دھو کر پاک کر دیتا ہے۔

اسے اپنے آس پاس کا احساس اس وقت ہوا جب مؤذن نے مغرب کی اذان کہنی شروع کی۔ اذان کے بعد بھی وہ دل ہی دل میں دعا کرتا رہا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اذان اور اقامت کے درمیان قبولیتِ دعا کی گھڑیاں ہوتی ہیں۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ پھر ایمر جنسی روم تک گیا، جیسے ہی اس نے اندر جھانکا تو بستر خالی تھا۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو، وہ تیزی سے پلٹا اور کوریڈور میں کھڑی نرس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ مریض کو وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا: الحمد للہ!

وہ کمرے کی جانب بڑھا، حاجی صاحب پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ زیادہ لوگوں کو مریض کے پاس جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کمرے میں صرف ان کا بیٹا عرفان موجود تھا۔

اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ باپ کی اس حالت کو دیکھ کر وہ کس قدر دل گرفتہ ہے۔ اشفاق احمد کو اپنے سامنے دیکھ کر تو چہرے پر احساسِ ندامت کے آثار اور بھی نمایاں ہو گئے۔ اشفاق سمجھ گیا کہ وہ اپنے والد کی اس حالت کا سبب جان چکا ہے۔ عرفان نہ جانے کس احساس کی گرفت میں تھا کہ اشفاق سے نظریں نہیں ملا رہا تھا اور دوسری جانب اشفاق کی بھی یہی حالت تھی، گویا وہ دونوں ہی اپنی اپنی غلطیوں پر احساسِ ندامت کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔

اشفاق نے عرفان سے کہا کہ وہ حاجی صاحب سے ملنا چاہتا ہے۔ عرفان نے لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر ایک نظر اپنے والد پر ڈالی اور خاموشی سے سر جھکائے باہر چلا گیا اور یوں اشفاق کو تنہائی میں دل کی بات کرنے کا موقع مل گیا۔

حاجی صاحب کی نگاہیں جیسے ہی اشفاق پر پڑی ایک عجیب سا کرب ان کی آنکھوں میں امڈ آیا۔ اشفاق شدید نادم ہوا۔ وہ ان کے قریب چلا گیا۔ ان کے کینولا لگے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور رندھے ہوئے لہجے میں کہنے لگا:

"حاجی صاحب! میں جانتا ہوں آپ یہ تکلیف، یہ گھٹن کیوں محسوس کر رہے ہیں۔" مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرا اصلاح کرنے کا غلط انداز کسی کو زندگی اور موت کی کشمکش میں بھی مبتلا کر سکتا ہے۔

میں اپنے دل شکن الفاظ پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

اشفاق کے یہ چند الفاظ حاجی صاحب کی آنکھوں کا کرب کم کر گئے۔ ایک آنسو ان کی آنکھ کے کونے سے پھسل کر تکیے میں جذب ہو گیا۔ ان کے دل سے کچھ بوجھ کم ہو گیا تھا۔ ان کے آنسو دیکھ کر اشفاق کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔ بادل برس جائیں تو حبس اور گھٹن ختم ہو جایا کرتی ہے۔ آئینے دھل کر صاف ہو جائیں تو شخصیت کی اصلاح آسان ہو جاتی ہے۔

وقت کا سفر

سارہ اعجاز

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ڈوبتے سورج کو اُداسی سے تک رہی تھیں۔ غرب کے رُخ پہ شفق کی لالی لگاتا ہوا وہ وہاں روپوش ہونے لگا تھا۔

"بہت حسین نظارہ ہے، آنکھوں والے یہ منظر دیکھتے تھکیں گے نہیں، لیکن تم بڑا خاموش ایک سبق بھی انسانیت کو دے رہے ہو کہ جیسے میں ڈوب رہا ہوں نا، ویسے ہی تم سب کو بھی ڈوب جانا ہے۔ اب تو خود کے سفید بال اور جھریوں زدہ ہاتھ دیکھ کر دھڑکا لگا رہتا ہے، جانے کب ہماری بھی مدّت پوری ہو جائے۔ آج تک موت سے ڈر لگتا ہے، پتا ہے مجھے یہ میری بداعمالی کا خوف ہے۔" وہ تھکے ہوئے لہجے کے ساتھ بولی تھیں اور آخر میں چشمِ تخیل میں کسی کا حسین مسکراتا چہرہ سمایا تو انھوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"تم کہا کرتی تھیں، ہم وقت کے سفر کی چکی میں پستے موت کے قریب جا رہے ہیں، تم صحیح کہتی تھیں اور۔۔۔ اور وقت کا سفر اب بہت تیز ہو چکا ہے۔" کسی اپنے پیارے کی یاد دل پہ حملہ آور ہو تو آنکھیں ضرور نم ہو جاتی ہیں، وہ بھی آنکھوں کی نمی پوروں پہ چنتی دروازے کی دستک کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مریم خالہ۔۔۔" آنے والی ایک کم عمر پیاری سی لڑکی تھی، جس کے چہرے پہ محبت بھرا ایک لطیف سا تاثر اور نرمی واضح تھی۔

"خالہ کا بچہ" انھوں نے دونوں بازو وا کیے تھے اور رمیصا ان کی باہنوں میں آسمائی۔

"میں تمہاری اماں کو یاد کر رہی تھی۔" اس کے سر کا بوسہ لیتے انھوں نے کہا۔

"آپ بھی تو میری اماں کی طرح ہی ہیں، اس لیے میں کچھ دن بعد آپ کے پاس آ جاتی ہوں۔ آپ کی محبت کی خوش بو مجھے کھینچ لاتی ہے اور حدیث شریف کے مطابق والدین کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک خود والدین کے ساتھ نیکی ہے۔" رمیصا کی بات پہ وہ بھی مسکرائیں تھیں اور پھر ان دونوں کے پاس اس شخصیت کے متعلّق ڈھیروں باتیں تھیں جو ان دونوں کی محبوب ترین تھی۔

جب سے موسم بدلا تھا، ایسا لگتا تھا درختوں پہ بھی اُداسی سی چھا گئی ہے۔ پتے مرجھائے مرجھائے سے حزین دِکھتے ہیں۔ سردی کے آنے سے صبح کی ہلکی دھوپ سینکنا بھی اچھا لگتا ہے۔ وہ بھی صبح کے دس بجے لان میں کرسی پہ پاؤں پسارے بیٹھی تھی اور آج خلافِ معمول اس کے چہرے پہ بارہ بجے ہوئے تھے۔

"اے کیا ہوا تمہیں۔۔۔ منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے۔" اس کی تایازاد ہم عمر بہن اچانک سے آوارد ہوئی اور فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"تم کب آئیں۔۔۔؟" عائشہ کے چہرے پہ خوشی نظر آئی تھی۔

"لو جی! دیوار سے دیوار ملی ہوئی کون سا کوئی دوسرے شہر سے آئی ہوں کہ محترمہ پوچھیں تم کب آئی، کچھ لاؤں تمہارے لیے، ٹھنڈا یا گرم؟" مریم کا فلک شگاف قہقہہ نکلا۔

عائشہ نے آنکھیں نکالیں۔

"اچھا بھئی! گھورو مت۔ یہ بتاؤ صبح صبح تم منہ کیوں بنائے بیٹھی تھی؟" مریم نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"یار تمہیں پتا ہے نا۔۔۔ میری سالگرہ آ رہی ہے، میں بیس سال کی ہو رہی ہوں۔ یہ وقت کتنا جلدی گزر جاتا ہے اور ہم موت کے قریب جا رہے ہیں۔" وہ بولی تو بدلے موسم اور خزاں کی ساری اداسی اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو، موت کے تذکرے مت کرو پلیز!" مریم نے جھرجھری لی۔

"تمہیں موت سے ڈر لگتا ہے، عجیب!!" اسے کہتی پھر وہ خاموشی سے اُٹھ آئی تھی۔

"ہیں! اسے کیا ہوا۔۔۔ مرنے میں تو ابھی بہت ٹائم ہے۔ ابھی تو ہمارے انجوائے کرنے کے دن ہیں۔ مرتے مرتے تیس چالیس سال تو لگ جائیں گے۔" مریم اسے جاتا دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"صبح صبح اتنے کام پڑے ہوتے ہیں کہ سمجھ نہیں آتا کہاں سے شروع ہو جاؤں میں! رات میں کچن کو دھویا، وائپر لگایا اور سوئی صبح دیکھا تو ایسے لگ رہا تھا کہ ایک ہفتے سے صفائی ہی نہیں ہوئی، خیر! بچوں والا گھر ہے، جب بچے اسکول چلے گئے، ابا ان کے کام پہ چلے گئے تو سب ہو جائے گا۔۔۔" کام میں مشغول انھوں نے خود کو تسلی دی، لیکن اندر ایک عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی تھی۔ یک دم مریم کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ "اللہ خیر۔۔۔!"

"جی اماں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! خیر تو ہے، اس ٹائم آپ کی کال۔۔۔" انھوں نے دھڑکتے دل سے استفسار کیا۔

"عائشہ فوت ہو گئی ہے!"

"کیاااا۔۔۔" فون پہ ان کی گرفت ہلکی ہوئی اور وہ پھسلتا دور جا پڑا۔۔۔

"تم بہت خاموش ہو گئی

بقیہ صفحہ نمبر 32 پر

جگنو

انس صدیقی

"کیا پریاں واقعی میں ہوتی ہیں؟" عثمان نے اپنی دادی سے پوچھا۔ "نہیں بیٹا ایسا نہیں ہے۔" اس کی دادی نے جواب دیا۔ عثمان روز رات کو اپنی دادی سے جنوں اور پریوں وغیرہ کی کہانیاں سنا کرتا تھا۔ وہ پانچویں جماعت کا طالبِ علم تھا اور اپنی کلاس کے اچھے بچوں میں شمار ہوتا تھا۔ عثمان ہر دفعہ کی طرح اسکول جلدی پہنچ گیا تھا، جبکہ ابھی کلاس بلکل خالی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد حارث کلاس میں داخل ہوا اور عثمان کے برابر میں بیٹھ گیا۔ عثمان کو ایسا لگا کہ حارث اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ عثمان نے اس سے سلام دعا کی اور کہا: "تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔" عثمان کے پوچھنے پر حارث فوراً بولا، "کیا تم نے کبھی پریاں دیکھی ہیں؟" "پریوں جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔" عثمان نے جواباً کہا۔ عثمان کی طرح حارث کو بھی پریوں اور جنوں وغیرہ میں کافی دل چسپی تھی اور وہ ان سے متعلق کہانیاں بھی پڑھتا تھا۔ حارث کے ماموں جن کا نام اویس تھا، شمالی علاقے مری کے رہائشی تھے اور آج کل کراچی میں موجود حارث کے اہل وعیال سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ حارث اپنے ماموں کے کراچی آنے کی وجہ سے کافی زیادہ خوش تھا۔ حارث نے عثمان کو اپنے ماموں کے آنے کے بارے میں بتایا اور کہا کہ وہ ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی میرے لیے ثقافتی کپڑے لائے ہیں۔ ہفتے کا دن تھا۔ عثمان اور حارث کی اسکول سے جلدی چھٹی ہو گئی تھی۔ اسکول سے واپسی پر ان کی ملاقات اویس ماموں سے ہوئی۔ حارث نے ان کی اسکول آنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ وہ حارث کا اسکول دیکھنا چاہتے تھے۔ عثمان کا گھر حارث کی گلی میں تھا۔ عثمان اور حارث اویس ماموں کے ساتھ اپنی گلی میں پہنچے۔ حارث نے عثمان کو شام میں اپنے گھر پر کمپیوٹر پر گیم کھیلنے کے لیے بلایا۔ عثمان شام میں حارث کے گھر پہنچا تو حارث نے اسے اپنا نیا کمپیوٹر دِکھایا اور دونوں اس پر گیم کھیلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد اویس ماموں کمرے میں داخل ہوئے اور بولے: "ہمارے زمانے میں اس طرح کی چیزیں نہیں ہوا کرتی تھیں، پتا نہیں کیوں آج کل کہ بچے کمپیوٹر وغیرہ کو زیادہ وقت دیتے ہیں۔" عثمان اور حارث کچھ دیر کے لیے اویس ماموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اویس ماموں نے حارث اور عثمان سے کہا: "آؤ! میں تمھیں ایک ایسا واقعہ بتاتا ہوں، جسے سن کر تم دونوں کو کافی حیرانی ہو گی۔" عثمان اور حارث نے کمپیوٹر کو بند کیا اور وہ دونوں اویس ماموں کے سامنے بیٹھ گئے۔ اویس ماموں نے بتانا شروع کیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نویں جماعت کا طالبِ علم تھا۔ ہم لوگ نئے نئے مری میں شفٹ ہوئے تھے۔ ہمارا گھر پہاڑی علاقے میں موجود تھا اور رات ہوتے ہوتے وہاں کافی اندھیرا اور سنّاٹا ہو جاتا تھا۔ اکثر رات کے وقت ایک چوکیدار پہاڑ پر بنے ہر چھ سات گھر کی چوکیداری کیا کرتا تھا، جو چوکیدار ہمارے گھر کی چوکیداری کرتا تھا وہ غروبِ آفتاب کے وقت ہمارے گھروں کے پاس آتا اور صبح سورج طلوع ہوتے ہی اپنے گھر چلا جاتا۔ ہم جہاں رہتے تھے وہ مری کا وہ علاقہ تھا، جہاں لوگ کم آتے جاتے تھے۔ رات کے وقت تو وہاں بلکل سنّاٹا سا چھا جاتا اور سوائے چوکیدار کہ کوئی آدمی بھی اپنے گھر سے باہر نظر نہیں آتا۔ میں حسبِ معمول اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اور اپنی انگریزی گرامر کی بک کا مطالعہ کر رہا تھا۔ میرے سامنے کچھ اور کتابیں بھی تھیں۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ میرے سامنے میری پسندیدہ پینٹنگ جو میں نے خود ہی بنائی تھی، تیز ہوا کی وجہ سے کھڑکی سے باہر جا گری۔ پینٹنگ کے گرتے ہی میں نے ایک دم کھڑکی سے باہر جھانکا اور اپنی گری ہوئی پینٹنگ کو اٹھانے کے لیے اپنے گھر سے باہر آیا۔ گھر سے باہر آنے کے بعد جو منظر میرے سامنے موجود تھا میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں چوکیدار نہیں تھا اور ہر طرف تیز روشنی والی تتلی نما مخلوق ہوا میں اڑ رہی تھیں۔ میں نے فوراً اپنی پینٹنگ اٹھائی اور واپس گھر آ گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی میں اپنے کمرے میں گیا اور چادر اوڑھ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ صبح جب میں نے یہ واقعہ سب کو سنایا تو کسی نے بھی میری بات یقین پر نہیں کیا۔ یہ یقیناً میری زندگی کا سب سے عجیب وغریب واقعہ تھا۔ عثمان اور حارث اویس ماموں کی بات سنتے رہے۔ اویس ماموں کی بات ختم ہوتے ہی عثمان نے کہا: "شاید آپ نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔" وہ بولے: "میں نے حقیقت میں اس مخلوق کو دیکھا تھا، تم چاہے یقین کرو یا نہیں۔" اویس ماموں کی ساری گفتگو سننے کے بعد

عثمان اور حارث پریوں کے معاملے میں اب پہلے سے زیادہ دلچسپی لینے لگے تھے۔ انھیں ایسا لگنے لگا تھا کہ پریاں واقعی میں ہوتی ہیں۔ حارث اور عثمان کے امتحان نزدیک آ گئے تھے۔ اب ان لوگوں نے اپنی ساری توجہ پڑھائی کی طرف کر لی تھی اور اب وہ کھیل کود سے زیادہ اپنی پڑھائی پر توجہ دینے لگے۔ عثمان کے والد نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنی کلاس میں اوّل آئے گا تو وہ اسے اس کی پسند کی چیز تحفے میں دیں گے۔ عثمان کی ملاقات اب حارث سے صرف اسکول میں ہی ہوتی تھی۔ حارث اور عثمان کے امتحان کو گزرے ایک مہینہ ہو چکا تھا۔ اب ان کا رزلٹ آنا تھا۔ رزلٹ والے دن عثمان اپنے والد کے ساتھ اسکول پہنچا تو اس کے اسکول کے پرنسپل نے انھیں خوش آمدید کہا اور عثمان کے اوّل آنے کی خبر اس کے والد کو دی۔ یہ خبر سن کر عثمان کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ اسکول سے گھر پہنچتے ہی عثمان نے اپنے والد کو ان کا کیا وعدہ یاد دِلایا۔ عثمان کے والد نے اس کی فرمائش پوچھی تو اس نے شمالی علاقاجات کی سیر کا کہا۔ عثمان کے والد نے اس کے گھر والوں کے ہمراہ شمالی علاقوں کی سیر کا فیصلہ کیا۔ عثمان کے گھر والوں نے سیر پر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ عثمان اپنی فرمائش پوری ہونے پر کافی زیادہ خوش تھا۔ اگلے مہینے کی پہلی تاریخ کو عثمان کے گھر والے کراچی سے اسلام آباد کے لیے ٹرین سے روانہ ہوئے۔ ایک دن کے سفر کے بعد وہ اسلام آباد پہنچے۔ اسلام آباد سے عثمان کے والد نے مری کے لیے ایک وین بک کروائی۔ اسلام آباد سے مری کا سفر چند گھنٹوں پر مشتمل تھا۔ چند گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ لوگ مری پہنچے۔ مری کا موسم ٹھنڈا تھا اور سورج غروب ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ عثمان کے گھر والوں نے ایک ہوٹل میں رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ ہوٹل میں عثمان کو ایک علیحدہ روم سونے کے لیے دیا گیا۔ اس نے سارا سامان اپنے روم میں پہنچایا اور بستر پر لیٹے لیٹے سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد عثمان کی آنکھ کھلی تو اب رات ہو چکی تھی۔ ہر طرف سنّاٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عثمان نے اپنے ہوٹل کی کھڑکی سے جھانکا تو دور دور تک کوئی انسان نہیں تھا۔ اسے اویس ماموں کا سنایا ہوا واقعہ یاد آنے لگا۔ وہ کافی دیر تک یہ سوچتا رہا کہ اسے وہ مخلوق نظر آئے گی یا نہیں۔ کافی سوچنے کے بعد اس نے ہوٹل سے باہر قریبی موجود پہاڑیوں میں جانے کا فیصلہ کیا۔ عثمان نے اپنے ساتھ ایک ٹارچ رکھ لی۔ روم سے نکلتے ہی اس کے چھوٹے بھائی نے اس سے پوچھا: ”اتنی رات گئے آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ عثمان نے اسے بتانا مناسب نہیں سمجھا اور کہا کہ ”میں یہاں باہر ٹہلنے جا رہا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ ہوٹل سے باہر آیا اور باہر موجود چوکیدار سے باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد عثمان نے چوکیدار سے پوچھا: ”کیا آپ نے یہاں پریاں دیکھی ہیں؟“ عثمان کی اس بات پر پہلے تو چوکیدار مسکرایا، اس کے بعد اس نے کہا: ”پریوں جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔“ عثمان یہ سن کر اس کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا پریوں جیسی کوئی چیز ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ وہ یہ سوچنے لگا کہ اویس ماموں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ کیا تھا۔ عثمان اپنے شک کو دور کرنے کے لیے قریبی موجود جنگلوں اور پہاڑیوں میں چلا گیا اور ٹارچ کی مدد سے آس پاس مختلف درختوں اور چٹانوں پر نظر دوڑانے لگا۔ وہ کافی دیر تک اس مخلوق کو تلاش کرتا رہا، لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ عثمان اِرد گرد موجود چیزوں کو کافی غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر اچانک ایک درخت پر پڑی، جہاں بہت ساری بڑی بڑی تتلیاں درخت کے اِرد گرد اُڑ رہی تھیں۔ عثمان کو ایسا لگا کہ یہ پریاں ہی ہیں۔ وہ کافی دیر تک ان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ مشاہدے کے دوران اسے یہ پتا چلا کہ وہ جگمگاتی تتلیاں پریاں نہیں بلکہ جگنو تھے، جنھیں وہ مختلف معلوماتی ٹی۔ وی پروگراموں میں دیکھ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر عثمان کو یہ یقین ہو گیا کہ اویس ماموں نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ پریاں نہیں بلکہ جگنو تھے۔ اسے اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ پریاں وغیرہ صرف کہانیوں میں ہی پائی جاتی ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بقیہ

وقت کا سفر

ہو مریم۔۔۔ پہلے تم محفل کی رونق ہوا کرتی تھی، تمہارے آگے کوئی ٹھہر ہی نہیں پاتا تھا اور اب تو عرصہ دراز سے تمہارا فیس بک وال بھی خاموش ہے۔ بس ایک دو اصلاحی پوسٹیں نظر آ جاتی ہیں مہینوں میں اور پہلے تو کمنٹس میں بھی اچھی گپ شپ ہو جاتی تھی یار۔۔۔ اب تو تم نظر ہی نہیں آتیں۔۔۔“ اس کی پھپھو زاد آمنہ اسے خاندانی تقریب میں ملی تو کہہ رہی تھیں۔

”ہاں بس! اب دل نہیں چاہتا میرا یہ سب کرنے کو، ضرورت کے لیے میں سوشل میڈیا پہ بھی ہوں، لیکن وہ فنی پوسٹیں اور ہر گھنٹے بعد ایک پوسٹ۔۔۔ وہ سب غیر ضروری تھا تو وہ سب میں نے چھوڑ دیا۔“ وہ مخلصانہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئیں۔

”شاید تم نے عائشہ کی موت کا بہت اثر لیا ہے۔۔۔“ آمنہ بولی۔

”ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو، بہت۔۔۔ ! اپنا بندہ ایسے اچانک چلا جائے تو دنیا کی حقیقت سمجھ آ جاتی ہے اور تم تو جانتی ہو کہ عائشہ مجھ سے زیادہ لوگوں میں مقبول تھی اور وہ تو اللہ کی بھی بہت پیاری بندی تھی، لیکن موت۔۔۔ یہ کسی کی مقبولیت نہیں دیکھتی، حتّٰی کہ عائشہ جیسی ننّھے پھولوں کی مائیں بھی اس کا نوالہ بن جاتی ہیں۔ سو یہ وقت جو گزر رہا ہے، اب اسے قیمتی بنانا ہے کہ پتا نہیں چلتا اس کے سفر میں کب ہمارا وقت پورا ہو جائے۔۔۔“

بات ختم ہوئی تو دونوں کی آنکھوں میں اُداسی اور تفکّر کی گہری لکیریں تھیں۔۔۔ ! !

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+

یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

اُف ۔۔۔ یہ بل!

بنتِ مسعود احمد

"اُففف میرے خدایا۔۔۔اتنا زیادہ بل!" عدیم بل ہاتھ میں لے کر دل تھامے رہ گیا۔

شدید گرمی میں پچھلے ماہ بڑی تگ و دو کر کے اے سی لگوایا تھا کہ دوپہر اور رات میں سکون سے اے سی کی ٹھنڈک میں نیند پوری کریں گے، مگر مہینے کے آخر میں بل نے آکر اس کے ہوش اڑا دیے۔

نینا جو اے سی لگنے پر خوش تھی، اب شوہر کو پریشان دیکھ کر رنجیدہ ہو گئی۔

رات سونے کے لیے لیٹے تو بچوں نے "اے سی چلائیں" کا شور مچا دیا۔

"بیٹے! بل بہت زیادہ آچکا ہے اور یہ بجلی بہت لیتا ہے، اس لیے ایسے ہی چپ کر کے سو جاؤ۔" عدیم نہ چاہتے ہوئے بھی ذرا سختی سے بول گیا۔

بچے باپ کو غصے میں دیکھ کر ماں کے کان میں منمنا کر اپنی فرمائش دہرانے لگے۔

"امی! گرمی میں نیند نہیں آتی۔" چھوٹی زینب معصومیت سے بولی۔

"ہاں! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے اور بیڈ گرم ہوتا ہے تو میری کمر پر گرمی دانے ہو جاتے ہیں۔" پانچ سالہ قاسم اپنی کمر دِکھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹے! ضد نہیں کرتے، آپ کے ابو کسی وجہ سے ہی منع کر رہے ہیں نا۔" نینا نے پیار سے سمجھانا چاہا۔

"نہیں، ہمیں کچھ نہیں پتا۔۔۔!" اب کی بار فہد بولا۔

"چپ ہو کر سو جاؤ! ایک بار کہہ دیا نا نہیں چلے گا۔" عدیم کی غصیلی آواز سن کر فہد نے شکوہ کناں نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"اظہر! یار دس ہزار ادھار مل سکتے ہیں؟" عدیم نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ پانچ سالہ دوستی میں وہ پہلی بار اپنے بہترین دوست اور کولیگ سے ادھار مانگ رہا تھا اور شدید مجبوری تھی جو اسے یہ مطالبہ کرنا پڑ رہا تھا۔

"ہاں! ہو جائیں گے۔۔۔مگر فی الحال میرے پاس نہیں، میں کل آفس لے آؤں گا۔"

"مجھے صبح تک لازمی چاہیے۔"

"اوہ! تو پھر ایسا کرو کہ تم آفس سے میرے ساتھ گھر چلو۔ ساتھ چائے بھی پی لیں گے اور تھوڑی گپ شپ بھی ہو جائے گی۔" اظہر نے خوش دلی سے آفر کی۔

عدیم نے اثبات میں سر ہلا کر او کے کا سگنل دے دیا۔

وہ دونوں اس وقت اظہر کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے اور دیگر لوازمات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اظہر نے جیسے ہی اس کی مطلوبہ رقم اسے دی تو عدیم بولا: "جانتے ہو یہ ادھار میں نے کیوں لیا ہے؟"

"تمہیں ضرورت ہو گی اس لیے۔" اظہر مسکرا کر بولا۔

"بجلی کا بل اس بار پچیس ہزار آیا ہے، مہینے کا اینڈ ہے اور کل لاسٹ ڈیٹ ہے۔"

"اوہ۔۔۔اتنا زیادہ بل؟ خیریت۔۔۔؟؟"

"بس یار! پچھلے ماہ کمیٹی کھلی تو بیگم کی فرمائش پر بیڈ روم میں اے سی لگوالیا۔ اسی کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔"

"اے سی تو ہمارے ہاں بھی ہے بھائی! مگر بل اتنا زیادہ بھی نہیں آتا، کوئی اور وجہ ہو گی۔ اے سی سے پہلے کتنا بل آتا تھا؟"

"اس سے پہلے دس بارہ ہزار ہی آیا کرتا تھا۔"

"تمہاری ایک فیملی ہے، اتنا بل بھی اس حساب سے زیادہ ہی ہے۔ اتنا بل تو ہمارا اب آرہا ہے جب ہم روز رات میں اے سی استعمال کر رہے ہیں۔"

"اچھاااا۔۔۔یہ کیسے ممکن ہے؟" عدیم حیرت سے پوچھ بیٹھا۔

"یہ پنکھے اور بلب دیکھ رہے ہو؟ یہ عام پنکھے بلب نہیں بلکہ یہ سب انرجی سیونگ ہیں، پھر ہم ہر بجلی سے چلنے والی چیز کو انتہائی احتیاط سے استعمال کرتے ہیں، کیوں کہ بعض اوقات چیزوں کا غلط استعمال بھی بجلی ضائع کرنے کا سبب بنتا ہے۔"

اب فریج کی مثال لے لو۔ بار بار فریج کا دروازہ کھول بند کرنے سے، فریج میں ضرورت سے زائد سامان بھرنے سے، گرم کھانا رکھنے سے بھی زیادہ توانائی صرف ہوتی ہے، یوں بجلی کا بل بڑھ جاتا ہے۔ بجلی سے چلنے والی وہ تمام اشیا جو پلگ سے کانٹیکٹ کی جاتی ہیں، ضرورت ختم ہوتے ہی پلگ نکال دینا چاہیے کیوں کہ یہ بھی توانائی ضائع ہونے کی ایک معمولی شکل ہے۔

اسی طرح جس کمرے میں ضرورت ہو اسی کا پنکھا اور لائٹ جلائی جائے، ہمارے گھروں میں اکثر خالی کمروں کی لائٹ اور پنکھے یونہی کھلے رہ جاتے ہیں۔

"واقعی، ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم لوگ اسی لائف اسٹائل کے عادی ہیں اور بجلی کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔" عدیم اس کی بات سن کر بولا۔

"اے سی کو بھی بار بار کھول بند کرنا نہیں چاہیے، کیوں کہ ہر بار کھولنے پر اسے زیادہ توانائی درکار ہوتی ہے اور اے سی چلا کر کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند رکھے جائیں، تاکہ کولنگ ضائع نہ ہو۔" اظہر نے مزید بات بڑھائی۔

"بچے رات میں تو سو جاتے ہیں، مگر دوپہر میں اکثر کمرے میں آنا جانا کرتے ہیں۔"

"ہمم۔۔۔ہمیں بچوں کو پیار سے سمجھنا چاہیے، تاکہ وہ اس چیز کو جانیں کہ ان کو کس طرح استعمال کرنا ہے، پھر دھول مٹی سے اے سی کی جالی کو بھی صاف رکھنا ضروری ہے۔"

"تمہیں تو کافی معلومات ہیں اس بارے میں، ماشاء اللہ!"

"بالکل! ایک وقت مجھ پر بھی ایسا آچکا ہے کہ میں ان بلوں سے پریشان رہتا تھا، مگر جب میں نے غور کرنا شروع کیا تو کافی چیزیں ہماری ہی لاپرواہی کے باعث ہمیں پریشان کیے ہوئے تھیں۔"

ہمارا دین اسراف کو پسند نہیں کرتا، چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو۔ اب بجلی ضائع ہونے میں صرف ہمارا نہیں بلکہ پوری قوم کا نقصان ہے۔ آج ہم بچت کریں گے تو آئندہ آنے والوں کے لیے آسانی ہو گی۔ اپنے ملک کی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ اظہر کی باتیں عدیم کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئیں۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

وہ گھر واپسی پر خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اظہر کی باتوں سے اسے کافی ڈھارس بندھی تھی اور اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے کافی مفید معلومات بھی میسر آئیں تھیں۔

وہ گھر پہنچا تو گھڑی آٹھ بجا رہی تھی، ورنہ عام روٹین میں وہ چھ بجے تک گھر آ جاتا تھا۔

دونوں بڑے بچے لاؤنج میں اپنے بستے کھولے بیٹھے تھے، جب کہ چھوٹا فہد غائب تھا۔ وہ دونوں بچوں کے سلام کا جواب دیتا فہد کو آواز دینے لگا اسے ڈھونڈتا وہ کچن کے دروازے پر آ رکا۔

نینا روٹی پکا رہی تھی اور فہد صاحب ایک ہی جملے کی تکرار میں لگے ہوئے تھے ”امی! مجھے آئسکریم دے دیں پلیز۔

”بیٹا صبر کرو، بس دو روٹیاں اور بنالوں، پھر دیتی ہوں۔“ نینا روٹی پکاتے ہوئے اسے مسلسل بہلانے کی کوشش میں لگی تھی۔

”پہلے مجھے دے دیں نا۔“ وہ کبھی فریج کھولتا تو کبھی ہاتھ اونچا کر کے فریزر کھولنے کی کوشش کرنے لگتا۔

یہ منظر دیکھ کر اسے ایک دَم سے اظہر کی بات یاد آئی۔

پھر سامان بھی فریج میں خوب لدا ہوا تھا، جس کی وجہ سے کولنگ کی رفتار مزید سست پڑ رہی تھی۔

”بیٹے! فریج کیوں کھولے کھڑے ہو؟“ عدیم نے حیران ہوتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

”السلام علیکم۔۔۔آپ کب آئے؟ اسے دیکھیں اس نے تنگ کر کے رکھا ہے، میرا روٹی پکانا مشکل کر دیا ہے۔ بار بار فریج کھول بند کر رہا ہے۔“ نینا اسے دیکھ کر بولی۔

”ابو! مجھے آئسکریم چاہیے۔“ ابا کو دیکھتے ہی فہد لاڈ سے بولا۔

”اچھاااا تو یہ بات ہے۔ بیٹے! آپ کی مما کام کر رہی ہیں نا۔“ سلام کا جواب دے کر وہ فہد سے مخاطب ہوا۔

”چلو! میں آپ کو آئسکریم دوں۔“ عدیم نے فریزر کھول کر آئسکریم کا کپ اس کے حوالے کیا، پھر نینا کی طرف متوجہ ہوا۔

”جانتی ہو فریج کے مسلسل کھول بند کرنے کی وجہ سے بھی بجلی ضائع ہوتی ہے؟“

”اچھا۔۔۔وہ کیسے؟“ نینا نے حیرانی سے پوچھا۔

”جب فریج کا دروازہ کھلتا ہے تو کولنگ میں کمی آتی ہے اور پھر مزید انرجی استعمال کر کے وہ اپنی ٹھنڈک کو بحال کرتا ہے اور ہر دفعہ فریج کے کھلنے پر یہی ہوتا ہے اور پھر تم نے کتنا سامان اس میں لاد رکھا ہے۔“ عدیم نے پہلی بار فریج کا تنقیدی جائزہ لیا۔

”آلو تو باہر چھنی میں بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ یہ کیچپ، مایونیز کے پاؤچ اور یہ پرسوں کی بچی ہوئی دال ابھی تک رکھی ہے۔“ وہ ایک ایک چیز کو نکال کر دیکھ رہا تھا۔

”“خیریت ہے، آج آپ کو کیا ہو گیا جو فریج کی صفائی میں جُت گئے؟“ اس نے بچے ہوئے سالن کا پیالا اور کیچپ مایونیز باہر سلیب پر رکھیں تو نینا حیران و پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

”ارے بھئی! فالتو چیزوں سے بھی فریج پر لوڈ بڑھتا ہے اور توانائی زیادہ صرف ہوتی ہے۔“

”اچھاااا۔۔۔میں نہیں جانتی تھی۔ اب میں کوئی بھی ایسی چیز فریج میں رکھنے سے گریز کروں گی، جو فریج سے باہر بھی ٹھیک رہ سکتی ہو۔“ نینا اس کی بات سمجھتے ہوئے رسان سے بولی۔

❖

دوسرے دن اتوار تھا۔ ناشتہ کر کے وہ پورے ہفتے کا سودا لینے نکلنے ہی لگا تھا کہ لائٹ چلی گئی، ورنہ عموماً اتوار کے دن لوڈشیڈنگ کی بھی چھٹی ہوتی تھی۔ گرمی نے تو برا حال کر دیا ہے، اوپر سے بجلی کی لوڈشیڈنگ سونا پر سہاگہ۔۔۔

عدیم سامان سے لدا واپس آیا تو آ کر نڈھال سا ہو کر صوفے پر گرتے ہوئے بولا: ”اوہ! لائٹ اب تک غائب ہے۔“

”جب سے آپ سودا لینے کے لیے گئے ہیں، تب سے لائٹ گئی ہوئی ہے۔ آج میں نے کپڑے دھونے کے لیے نکالے تھے، وہ بھی واپس رکھ دیے۔“ وہ شربت کا گلاس اسے تھماتے ہوئے بولی۔

”اوہ! پھر تو لگتا ہے کوئی بڑا فالٹ ہوا ہو گا۔ کیا پتا پی ایم ٹی ہی خراب ہو گئی ہو۔ اللہ خیر کرے! تم یہ سامان چیک کر لو۔ سب آگیا ہے نا؟ میں ذرا کام سے بڑے بھائی کی طرف جا رہا ہوں۔“ وہ شربت کا خالی گلاس ٹرے میں رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

”ہمم پوری ہے چیزیں۔۔۔کب تک واپسی ہو گی؟“ وہ شاپر کھول کر دیکھتے ہوئے بولی۔

”شاید شام ہو جائے گی۔“ وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

❖

صبح سات بجے سے گئی لائٹ دو پہر دو بجے آئی تو اس کی جان میں جان آئی۔ پانی کی ٹنکی خالی ہو چکی تھی اور سینک میں برتنوں کا ڈھیر جمع ہو چکا تھا۔ موبائل کی چارجنگ بھی ختم تھی۔ موٹر چلائی پھر موبائل چارج پر لگا کر وہ جلدی سے برتن دھونے کھڑی ہو گئی۔ برتن دھو کر گیلری اور صحن دھویا اور تینوں پنکھے فل اسپیڈ پر چلا کر وہ بچوں کو نہلانے لے گئی، کیوں کہ وائپر لگانے کے باوجود فرش ابھی تک گیلا تھا۔

بچوں کو نہلا کر نکلی تو فون کی بیل بجنے لگی۔ اس نے عجلت میں فون چارجنگ سے نکالا اور بغیر بٹن آف کیے کال ریسیو کر لی۔ دوسری طرف بڑی باجی تھیں، جن سے وہ روز ہی تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بات کیا کرتی تھی، سو اطمینان سے فون لے کر بیڈ پر آ بیٹھی۔ بچے کھانا پہلے ہی کھا چکے تھے تو وہ بستر پر لیٹتے ہی سو گئے۔

عدیم سات بجے گھر میں داخل ہوا۔

”یہ لاؤنج اور پیسج کے پنکھے کیوں چل رہے ہیں؟“

”اوہ۔۔۔میں نے گیلری اور پیسج دھویا تھا تو فرش سکھانے کے لیے پنکھے چلا دیے تھے۔“

”تو بیگم! کھڑکی دروازوں سے آتی قدرتی ہوا سے بھی فرش خشک ہو سکتا تھا۔“

”بس۔۔۔ذہن سے نکل گیا، سوچا تھا دس پندرہ منٹ بعد بند کر دوں گی۔“

”احتیاط کرو، دیکھ رہی ہو کہ کتنا بل آیا ہے کہ دس ہزار ادھار لینے پڑ گئے ہیں۔“

وہ اپنا والٹ اور کی چین سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے تلخی سے بولا کہ اچانک اس کی نظر پلگ سے لگے چارجر پر پڑی۔

”یہ یہاں کیوں لگا رکھا ہے اور بٹن بھی آن ہے؟“

”کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ذرا ذرا سی بات پر آپ غصہ ہوئے جا رہے ہیں۔“ نینا نرمی سے بولی۔

”بیگم! بات ذرا سی نہیں ہے اور بات صرف بجلی کے بڑھے ہوئے بلوں کی بھی نہیں ہے۔ بات ہے فضول خرچی کی! فضول خرچی صرف پیسوں کی ہی نہیں ہوتی، بلکہ ہر نعمت کا اسراف ناپسندیدہ ہے۔ نعمت کو ضرورت اور فائدے کے لیے اعتدال سے استعمال کرنا چاہیے۔ ہمارا دین ہمیں اعتدال سکھاتا ہے۔ اگر ہم اس اصول کو اپنے اوپر لاگو کر لیں تو ہماری آدھی سے زیادہ پریشانیاں خود بخود کم ہو جائیں گی۔“

”عادت ایک دَم سے نہیں بدلے گی، آہستہ آہستہ سہی! مگر پوری کوشش کروں گی کہ کوئی لائٹ یا پنکھا فالتو نہ چل رہا ہو۔“ نینا نے جواباً کہا۔

”بس آپ کوشش کرتیں رہیں اور بچوں کو بھی سمجھایں اور جلدی سے ایک کپ گرما گرم چائے بنا کر ثواب کمائیں۔“

”ان شاء اللہ! میں خود بھی دھیان کروں گی اور بچوں سے بھی کہوں گی۔۔۔“ نینا نے مسکرا کر کہا اور چائے بنانے اُٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔!!

عید کا جوڑا

ڈاکٹر الماس روحی

منّی باجی بالکل منی نہیں تھیں، وہ مجھ سے کافی بڑی تھیں اور آپا سے چھوٹی تھیں۔ وہ بڑی کھلنڈری اور شوخ تھیں۔ ہنستی اور ہنساتی رہتی تھیں۔ منّی باجی نت نئے طریقوں سے ہم بچوں کو بے وقوف بناتی تھیں۔ مرچوں والے پکوڑے بنا کر ہم بچوں سے کہتیں: ''لو کھاؤ، آٹے کے میٹھے میٹھے گرما گرم گل گلے!'' ہم بچے بے وقوف بن جاتے، جیسے ہی پکوڑے کھاتے منہ میں مرچیں لگ جاتیں، زبان باہر آ جاتی، آنسو آنکھوں سے ٹپاٹپ گرنے لگتے۔ میں جھاڑو دیتی تو وہ کہتیں: ''گڈی! لو وہ دیکھو کچرا پڑا ہے۔'' میں کہتی: ''کہاں ہے؟ مجھے تو نہیں دکھ رہا ہے۔'' تو ہنستے ہوئے کہتیں: ''یہ اتنے موٹے موٹے بھینس جیسے دیدے ہیں، تمھیں کچرا نظر نہیں آتا۔ وہ دیکھو کرسی کے نیچے، وہ میز کے پاس دیکھو۔'' اچھا خاصا وہ مجھے تھکا دیتی تھیں اور سب ہنس پڑتے تھے۔ ایک دن منّی باجی کالی مرچیں لائیں اور ہم بچوں سے کہنے لگیں: ''یہ دیکھو! میں بازار سے میٹھی میٹھی گولیاں لائی ہوں تم سب کے لیے، تم سب کھاؤ!'' ہم سمجھتے واقعی میٹھی گولیاں ہوں گی۔ ہم نے جھٹ منہ میں رکھیں، چبائیں تو مت پوچھیں۔۔۔ ہمارا کیا حال ہوا ہوگا۔ ''آخ تھو، توبہ ہے۔'' ہمارے گھر میں خالہ خیرن کی نواسی آتی تھی، بہت پیاری چار پانچ سال کی بچی تھی۔ ہم سب اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کا بھی جی ہمارے ہی گھر میں لگتا تھا۔ شاید اس لیے ہم تین چار بہن بھائی تھے۔ مریم نام تھا۔ وہ خالہ خیرن کے گھر میں اکیلے رہتی تھی۔ نانی نواسی، بس دو دم تھے۔ اس کی امی دنیا میں نہیں تھیں۔ بہت بیمار رہتی تھیں، ابا اپنے گاؤں میں رہتے تھے۔ منّی باجی سے اسے بہت پیار تھا۔ منّی باجی بھی اس کا بڑا خیال رکھتی تھیں، جیسے اپنی بلی مانو کا! جیسے ہی مریم گھر میں قدم رکھتی میں آواز لگاتی کہ ''باجی آپ کی مانو پارٹ ٹو آ گئی۔'' اور سب ہنس پڑتے۔ رجب المرجب کا چاند نظر آتے ہی ہمارے گھر کی اور رونق بڑھ جاتی۔ عبادات، نوافل پر زور دیا جاتا، صدقہ و خیرات کیا جاتا اور کھانا ہر جمعہ تقسیم کیا جاتا۔ دادی جان ہر جمعرات کو ہمارے گھر آ کر رہتیں۔ شبِ جمعہ ہمارے ساتھ عبادت کرتیں، جمعہ ہفتہ رہتیں اور اتوار کو بڑے تایا کے گھر چلی جاتیں۔ ان کا دل ہمارے گھر خوب لگتا۔ ایک بڑا پنجرہ تھا صحن میں، ہم نے چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے طوطے بھر رکھے تھے۔ صبح سویرے ان کی آوازیں، پھر منّی باجی کی موٹی دُم والی بلی دُم ہلاتی اِدھر اُدھر پھرتی رہتی۔ بڑی آپا آزاد پرندوں کو صبح سویرے دانہ ڈالتیں، دروازے کی چوکھٹ دیوار کی منڈیر تک کبوتر، بلبل، چڑیاں، کوّے سب ہی آ جاتے۔ کبھی کبوتر کی غٹرغوں کی آوازیں آتیں تو کبھی کوّے کی کائیں کائیں ان آوازوں پر نمبر لے جاتیں۔ سارا دن امرود کے درخت پر بیٹھی چڑیاں چہچہاتی رہتی تھیں۔ ہمارے گھر میں چھوٹا سا باغ تھا۔ امی کو پودوں کا شوق تھا۔ موگرا، رات کی رانی، موتیا، سفید، لال گلاب، سدا بہار، امی کو صبح مجھے ہی حکم دینا ہوتا تھا۔ ''گڈی! پودوں کو پانی ڈال دو۔'' پہلے پہل تو مجھے بہت کوفت ہوتی، دل ہی دل میں بڑی ہو کر میں پچھتا رہی تھی۔ ہر کوئی مجھ سے کام کہتا تھا۔ بہر حال! پھر مجھے ان پودوں اور گملوں سے پیار ہو ہی گیا۔ میں ان کی صفائی کرتی، ان کی کانٹ چھانٹ کرتی۔ ہمارا گھر دادی جان کو اس لیے اچھا لگتا کہ تخت پر امی اور دادی جانی قرآنِ پاک پڑھتیں، پھر سب ناشتہ کرتے، کچھ دیر اسکول، کالج، آفس جس کو جہاں جانا ہوتا چلا جاتا۔ رمضان کے ماہ میں دادی جان گھر مستقل رہنے آ جایا کرتی تھیں اور ہمارے ساتھ پورے روزے رکھا کرتی تھیں۔ رمضان کی رونقیں اور گھروں کی برکتیں رمضانوں میں الگ ہی ہوا کرتی ہیں۔ دادی جان تنقیدی نگاہ رکھتی تھیں۔ ان کی ٹوک ہمیں سننی پڑتی تھی۔ ہر کام نفیس انداز سے کرنا پڑتا تھا۔ روٹی پکاؤ تو گول ہو، دال پکاؤ تو تڑکا اچھا لگاؤ، صفائی کرو تو ہر چیز اچھے سے صاف کرو۔ امی کہتی تھیں: ''کہنے دو انھیں، اچھا ہے اس سے تم سب کو اچھی طرح کام کرنا آ جائے گا۔ دوسرے وہ بزرگ ہیں، جہاں بزرگ ہوتے ہیں وہاں اللہ کی رحمتیں اور برکتیں الگ ہی ہوتی ہیں۔''

سحری کے وقت منّی باجی دادی جان کی بڑھ چڑھ کر خدمت کرتیں، ان کو سحری کرواتیں۔ ایک روز دادی جان نے پوچھا: ''منّی عید آ رہی ہے، کپڑے بنا لیے۔۔۔'' ''جی دادی جان! بڑا سا غرارہ پہنوں گی، گرکابی پہن کر بڑے پائنچے پھڑکاتی ہوئی سویاں بانٹتی پھروں گی، اچھی لگوں گی نا، دادی جان! منّی باجی نے معصومیت سے پوچھا تو بڑی آپا ہنس پڑیں۔ اوندھے منہ گر پڑو گی سویوں سمیت، گلی میں تماشہ بنے گا۔ سلمیٰ ستاروں والا دوپٹہ، چوڑی دار پاجامہ اور اگرکھا پہنو گی نیلے رنگ کا تو بہت پیاری لگو گی اور دوڑتے، بھاگتے کام بھی آسانی سے کر لو گی۔'' ''ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔'' منّی باجی نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

''کاکی! تم کیا پہنو گی؟'' دادی جان نے بڑی آپا سے پوچھا۔ وہ پیار سے انھیں کاکی اور بھیّا کو ''کاکا'' کہتی تھیں۔ آپا بولیں: ''دادی جانی! میں گلابی رنگ کا غرارہ پہنوں گی۔'' دادی مسکرائیں۔ ''اللہ پہننا نصیب کرے۔'' دادی جان نے میری طرف دیکھا۔ ہاں گڈی! تم کیا پہن رہی ہو؟ میں کمرے سے دو تھیلے اٹھا کر لائی، ایک میں دادی جان کا کڑھائی والا سفید رنگ کا چکن کا سوٹ تھا اور دوسرے میں میری سبز رنگ کی کناروں والی فراک۔ دادی جان بہت خوش ہوئیں اور انھیں اپنا سوٹ بھی اچھا لگا۔ میں نے امی اور بھیّا کے کپڑے دادی جان کو دِکھائے بہت خوشی ہوئیں، بولیں: ''بڑھیا کپڑے لائے ہیں، سب بہت اچھے کپڑے ہیں۔ سال کا تہوار ہے، اللہ سب کو پہننا نصیب کرے۔'' منّی باجی بولیں: ''پر میرے پاس ستارے نہیں ہیں، سوچ رہی ہوں آسمان پر کسی کو بھیجوں جو ستارے توڑ کے لائے اور میں دوپٹے پر ٹانک سکوں۔'' سب ان کی بات پر ہنس دیے۔ عید جیسے جیسے قریب آ رہی تھی عید کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ ایک روز بڑی آپا کی صندوقچی میں سے منّی باجی نے سلمیٰ ستارہ کاٹنے کی قینچی نکالی۔ اپنے کپڑے بُرے طریقے سے کاٹ دیے، کپڑا سارا خراب کر بیٹھیں۔ دادی بولیں: ''منّی! تم پہلے پرانا کپڑا کاٹنا سیکھو، گڈی کی گڑیا کے کپڑے سیا کرو، مشق کرنے سے کام آتا ہے۔ عجلت سے بگڑتا ہے، ہتھیلی پر سرسوں مت جمایا کرو۔'' منّی باجی منہ بسور کر بیٹھ گئیں۔ انھیں جلدی کام کرنے کا چسکا بھی

بقیہ صفحہ نمبر 39 پر

لٹیرے کون؟

سعدیہ اجمل

جیسے ہی احمد فیکٹری سے باہر نکلا تو بڑھتے ہوئے اندھیرے کو دیکھ کر چونک اٹھا۔ آج اسے جلدی گھر جانا تھا۔

”یہ کیا۔ ! وقت اتنی جلدی گزر گیا، ابھی تو عصر کی نماز پڑھی تھی اور یہ اندھیرا؟“ وہ منمنایا۔

فیکٹری اندر سے بالکل بند تھی، اس لیے باہر کے موسم کی صورتِ حال (دن ہے یا رات، بارش ہے یا دھوپ وغیرہ) کا علم نہ ہوتا تھا۔ چوں کہ موسم سرما کا آغاز تھا، اس لیے دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہونا شروع ہو گئی تھیں اور تقریباً پانچ، پونے پانچ بجے ہی اندھیرا پھیلنا شروع ہو جاتا۔ اس نے مضطرب ہو کر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔

”اب تک تو ڈاکٹر بھی جا چکا ہو گا۔“ اس نے مایوسی سے سوچا۔

پچھلے کئی دنوں سے احمد کی والدہ کی طبیعت ناساز تھی اور انتہائی کوشش کے باوجود وہ انھیں معائنے کے لیے نہیں لے جا سکا تھا۔ والدہ کی دن بدن گرتی ہوئی طبیعت اسے پریشان کیے ہوئے تھی۔

”میری مصروفیت میں کہیں کوئی بڑا نقصان نہ ہو جائے۔“ اس نے افسردگی سے سوچا۔

آج صبح گھر سے نکلتے ہوئے اس نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ چھٹی کے وقت سے پہلے ہی تمام کام نمٹا کر والدہ کو معائنے کے لیے لے جائے گا، لیکن اسے آج بھی تاخیر ہو گئی تھی۔ وہ شکستہ سا فیکٹری کے پارکنگ ایریا میں کھڑی موٹر سائیکل پر سوار ہوا اور درمیانی رفتار سے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ آج کا دن بے حد مصروف گزرا تھا۔ وہ شدید ذہنی اور جسمانی تناؤ کا شکار تھا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے اس کا انگ انگ درد کر رہا تھا۔ احمد دراصل ایک کپڑوں کی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ تنخواہ معمولی ہی تھی، لیکن وہ اس پر بھی صبر شکر بجا لاتا کہ اسے حلال روزگار میسر تھا۔

”کم ہو، لیکن حلال ہو۔“ یہی اس کی تربیت میں شامل تھا۔

گھر سے فیکٹری کے درمیان تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت تھی۔ وہ یونہی پریشان سوچوں میں گم گھر کی طرف رواں دواں تھا کہ اس نے سڑک کنارے تین پولیس اہلکاروں کو کھڑے دیکھا۔

”اللہ خیر رر! اس علاقے میں کوئی واردات ہو گئی کیا؟؟“ احمد دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

وہ اپنی طرف سے قیاس آرائیاں لگا ہی رہا تھا کہ اہلکاروں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ ان کی بھی تو ڈیوٹی ہے، بھلا کوئی جان بوجھ کر بھی کسی کو روکتا ہے، گویا اس نے خود کو جواز دیا اور نا چاہتے ہوئے بھی اسے رکنا پڑا۔

”ہاں جی! کون سا غیر قانونی دھندا کر کے آ رہے ہو۔“ لمبے چوڑے جثّے اور بڑی بڑی مونچھوں والے پولیس اہلکار نے چہرے پر سختی لاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

احمد پہلے تو گڑبڑا گیا، لیکن اسے خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ تفتیش کرنے کا طریقہ ہے۔

”نن۔ نہیں جناب! میں تو کپڑوں کی فیکٹری میں کام کرتا ہوں، الحمد للہ حلال روزگار ہے اور کبھی بھی کسی غیر قانونی کام میں ملوث نہیں ہوا۔“

”ہاہاہا!“ اہلکاروں نے با آواز قہقہہ لگایا۔

”بھئی واہ! کیا کہنے آج کے مجرموں کے، کمال ہوشیار ہو گئے ہیں۔ بچنے کے سو بہانے ہوتے ہیں ان کے پاس۔ بڑے دیکھے ہیں تجھ جیسے ہمیں بے وقوف سمجھا ہے کیا۔۔۔“ ایک اہلکار غرّایا۔

”جناب! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں ایک شریف انسان ہوں کوئی مجرم نہیں۔“ احمد نے چارگی سے کہا۔

”اچھا، بے شریف انسان مان لی تیری بات! چل اب شرافت دِکھا اور تھوڑی جیب ہلکی کر۔۔۔ اب ہمارا بھی تو کچھ حصہ بنتا ہے نا تیری حق حلال کی کمائی میں، آخر کو محافظ جو ہیں تم شریفوں کے۔“ ایک اہلکار نے دانتوں کی نمائش کرواتے ہوئے کمینگی سے کہا اور باقی دو نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

احمد اب سارا معاملہ سمجھ چکا تھا کہ یہ لوگ کسی واردات کی تفتیش کے لیے نہیں، بلکہ راہ چلتے مسافروں سے مال ہتھیانے کے لیے کھڑے تھے۔ جیسے ہی احمد کو ان کے ارادوں کی خبر ہوئی تو پریشان ہو گیا۔ احمد کو والدہ کے علاج کے لیے کچھ رقم درکار تھی، تنخواہ ملنے میں ابھی وقت تھا اور پچھلے مہینے کی ساری تنخواہ گھر کے کرائے، سودا سلف، چھوٹے بہن بھائیوں کی فیس، بجلی و گیس کے بل ادا کرنے و دیگر کاموں میں صرف ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے پچھلے کئی دنوں سے کچھ ایڈوانس رقم کے حصول کے لیے درخواست دی ہوئی تھی، جس پر آج ہی اسے رقم وصول ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ انھیں اپنی مجبوری بتا دی جائے، کیا پتا انھیں رحم آ جائے اور پیسے نہ لیں۔

آخر اس نے کچھ ہمت مجتمع کی اور کہا: ”سر! پچھلے کئی دنوں سے میری والدہ بیمار ہے اور انہی کے علاج کے لیے آج تنخواہ میں سے ایڈوانس لیا ہے۔ میں بہت مجبور ہوں اور یہ رقم آپ کو نہیں دے سکتا، والدہ کا علاج کروانا بہت ضروری ہے۔ ان پیسوں کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں جس سے علاج کروا سکوں۔“

”ابے شریف بابو! فکر کیوں کرتا ہے، ہم ہیں نا! دعا کریں گے تیری ماں کے لیے۔“ ایک نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

احمد لب بھینچ کر رہ گیا اور دل ہی دل میں اللہ کے حضور مدد کی دعا کرنے لگا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ پیسے لیے بغیر نہیں جانے دیں گے اور اگر دینے سے انکار کیا تو نا صرف زبردستی چھین لیں گے، بلکہ تھانے کی سیر بھی کروائیں گے۔ احمد کشمکش میں تھا کہ کیا کرے۔ آخر کار مجبوراً وہ پیسے دینے ہی والا تھا کہ پاس ہی جنگل سے گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ پولیس اہلکاروں نے جیسے ہی گولیاں چلنے کی آواز سنی تو ان کے چہروں پر خوف منڈلانے لگا۔

”چلو بے! نکلو یہاں سے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”لیکن پیسے؟“ دوسرا بولا۔

”ابے بے وقوف! یہاں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں اور تجھے ابھی بھی پیسوں کی پڑی ہے۔ جان ہی نہ بچی تو پیسوں کا اچار ڈالے گا۔“ تینوں اہلکار اپنی موٹر سائیکل کی طرف سرپٹ دوڑے اور ایک منٹ ضائع کیے بغیر وہاں سے چلتے بنے۔

احمد حیرانی سے انھیں سر پر پاؤں رکھے بھاگتا دیکھ رہا تھا۔ دراصل جنگل میں گولیاں چلانے والے شکاری تھے، جو پچھلے کئی دنوں سے جنگل میں شکار کی غرض سے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اہلکار گولیوں کی آواز سنتے ہی بھاگ گئے تھے۔ اس کا مطلب یقیناً انھیں جنگل میں شکاریوں کے پڑاؤ کا علم نہیں تھا۔ احمد نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس کے پیسے بچ گئے تھے اور اب وہ اپنی والدہ کا علاج کروا سکتا تھا۔ اور وہ پولیس اہلکاروں کی بزدلی و بے ایمانی پر افسوس کرتا گھر کی جانب روانہ ہوا۔

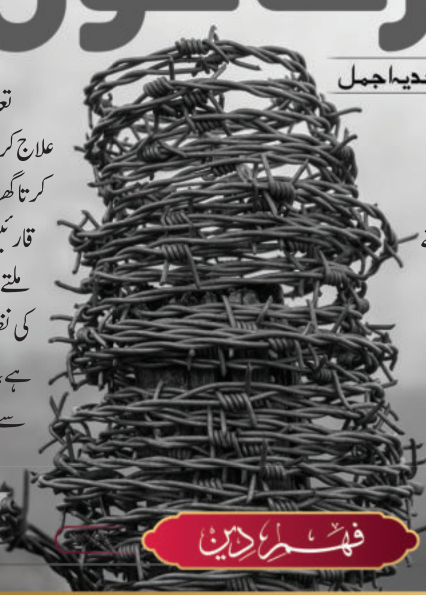

قارئینِ کرام! اس طرح کے واقعات اب ہر دوسرے دن سننے کو ملتے ہیں۔ افسوس صد افسوس! ہمارے وہی پولیس اہلکار جو لوگوں کی نظر میں وطن کے محافظ ہیں، جن کا کام ملک میں لوٹ مار کو روکنا ہے، جن کی وجہ سے شہری اپنے آپ کو لوٹ مار و دیگر وارداتوں سے محفوظ سمجھتے ہیں، اپنی عیاشیوں میں اصل لٹیرے تو خود ہی بن گئے ہیں۔

قبر میں روشنی

ساجدہ امیر

ایک گاؤں میں فیصل نام کا لڑکا رہتا تھا، وہ بہت محنتی اور ذہین تھا۔ صبح سویرے اُٹھ کے فجر کی نماز ادا کرتا، نماز ادا کرنے کے بعد روز صبح قرآنِ مجید کی تلاوت کرنا اسے بے حد سکون دیتا تھا۔ وہ اپنے والدین کا بہت فرماں بردار بیٹا تھا، ہر اتوار اپنے ابو کے ساتھ باغیچے کی صفائی کرواتا اور گھر کے کاموں میں اپنی امی کی مدد بھی کرتا تھا۔ فیصل کا ایک چھوٹا بھائی تھا، جس کا نام سہیل تھا۔ سہیل بہت آلسی اور نالائق تھا، وہ ہمیشہ جھوٹ بول کر گھر سے باہر نکل جاتا اور شام کو واپس گھر آتا۔ جب بھی اسے نماز یا تلاوت کا کہا جاتا وہ جھوٹ بول دیتا کہ میں نے ادا کر لی ہے یا پھر ادا ہی نہیں کرتا تھا۔ فیصل اپنے بھائی کو بہت سمجھاتا، لیکن وہ کبھی بھی کسی کی نہیں سنتا تھا۔ بات بے بات امی سے جھگڑا کرنا، بابا کو الٹا جواب دینا اس کی عادت تھی۔

ایک دن پورے شہر کی لائٹ کسی وجہ سے چلی جاتی ہے، سارا دن لائٹ نہیں آتی اور سننے میں آتا ہے کہ رات کو بھی بجلی نہیں آئی گی، کیوں کہ آس پاس کے کسی علاقے میں ٹرانسفارمر کا کام ہو رہا ہوتا ہے۔

اس دن مغرب کے بعد سہیل جب گھر آتا ہے تو ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے، بس کھانے کی ٹیبل اور کچن میں موم بتی جل رہی ہوتی ہے۔

"امی! یہ ساری بتیاں کیوں بند کر رکھی ہیں؟" اندر آتے ہی سہیل غصے میں اپنی امی کو آواز دیتا ہے۔

"بیٹا! آج سارا دن لائٹ نہیں تھی اور اب کہہ رہے ہیں رات میں بھی نہیں آئے گی۔" امی نے کھانے کی ٹیبل پر سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مصیبت ہے، میرے فون میں چارجنگ نہیں ہے اور اوپر سے بجلی والوں کو پتا نہیں کیا موت پڑ گئی۔۔۔" سہیل غصے میں لال پیلا ہو گیا۔

"سہیل! ایسے نہیں کہتے۔" امی نے کہا۔

سہیل منہ میں بڑبڑاتا ہوا واشروم کی طرف چلا گیا، ہاتھ منہ دھو کے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

"بھائی اور ابو کہاں ہیں امی؟" سہیل نے پوچھا۔

"وہ نماز ادا کرنے گئے ہیں، آپ کو تو اپنی نمازوں کی فکر ہی نہیں ہے۔" امی نے جواب دیا۔

"امی! میں بھی حضرت محمد ﷺ کا امتی ہوں، اللہ مجھے بخش دے گا۔" سہیل نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اور اگر ہمارے نبی ﷺ ہی اپنے اللہ سے بول دیں کہ اِسے جہنم میں پھینک دو پھر۔۔۔؟" پیچھے سے ابو کی آواز آئی۔

"ابو! ایسا نہیں ہو سکتا، ہم نے پڑھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے جنّت اور بخشش کی دعا مانگی تھی۔" سہیل مسکرانے لگا۔

"وہ سب ٹھیک ہے میرے بھائی! لیکن ہمارے نبی ﷺ کو اپنے رب کی عبادت کرنا، اُسے سجدہ کرنا بے حد پسند ہے، بھلا جو شخص اللہ کو سجدہ نہ کرے جبکہ قرآنِ مجید میں بار بار نماز کا کہا گیا ہے تو روزِ محشر نبی کریم ﷺ کیسے اس کی بخشش کروائیں گے؟" ساتھ ہی فیصل نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"دیکھو بیٹا! کیا آپ چاہتے ہیں، بجلی جلدی سے آ جائے اور سارا گھر روشن ہو جائے؟" ابو نے سہیل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جی ابو" سہیل نے اِثبات میں سر ہلایا۔

"تو بیٹا سوچو! زمین کے نیچے کتنا اندھیرا ہو گا، کتنے کیڑے مکوڑے ہوں گے، سانپ اور بچھو ہوں گے۔ اگر تب ہماری قبر میں روشنی نہ آئی تو کیا کریں گے۔۔۔؟" یہ سنتے ہی سہیل کے ہاتھ رُک گئے۔

"بیٹا! اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی قبر بھی روشن ہو تو روزانہ پانچ وقت کی نماز باوضو ادا کیا کرو اور ہر رات سونے سے پہلے سورۂ ملک کی تلاوت کیا کرو۔" ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سورۂ ملک کیوں ابو۔۔۔؟" سہیل نے پوچھا۔

"کیوں کہ وہ ہماری قبر کو روشن کرے گی اور جب فرشتے حساب لینے آئیں گے، تب قرآنِ مجید آئے گا اور بولے گا کہ مجھ سے حساب لو اُسے سونے دو۔" امی نے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تب سہیل خاموش ہو گیا۔ سب نے سکون سے کھانا کھایا اور باتیں کرنے لگ گئے۔ امی گرم دودھ کے گلاس لے کر آئیں، ابھی وہ سب پی ہی رہے تھے کہ عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔

"چلیں بیٹا۔۔۔؟؟" ابو نے فیصل سے پوچھا۔

"جی ابو۔۔۔" فیصل نے جواب دیا۔

"آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" سہیل نے کہا۔

"عشاء کی نماز ادا کرنے۔۔۔" فیصل بولا۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" یہ سنتے ہی سب خوش ہو گئے۔

اس دن کے بعد فیصل روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کرنے لگا اور دھیرے دھیرے اس کے رویّے میں کافی بدلاؤ آیا، وہ امی کی ہر بات مانتا تھا اور ابو کے ساتھ مدد کرواتا تھا۔

میٹھی عید

خرم فاروق ضیا

گیت خوشی کے گائیں گے — مل کر عید منائیں گے
مل بیٹھیں دیوانے سب — یار اور دوست پرانے سب
اپنے اور بیگانے سب — پھر سے ایک ہو جائیں گے
مل کر عید منائیں گے — سیئں گی امی نئے کپڑے
ابو لائیں گے جوتے — دوست سبھی دیں گے تحفے
بھیا کھلونے لائیں گے — مل کر عید منائیں گے
پھپھو، ملنے آئیں گی — بچوں کو بھی لائیں گی
عیدی دے کر جائیں گی — پھر ہم موج اڑائیں گے
مل کر عید منائیں گے — کریں گے سب کا منہ میٹھا
کھیر، سویاں اور زردہ — ساتھ میں سوجی کا حلوہ
کسٹرڈ بھی بنوائیں گے — مل کر عید منائیں گے
دکھ ہو گا، نہ کوئی غم — خوشیوں کا ہو گا موسم
عید کے اگلے دن پھر ہم — ماموں کے گھر جائیں گے

عیب تلاش نہ کرو

سمیرا انور

"اچھا۔۔۔! توٹو مو جنگل چھوڑ کر جا رہا ہے۔" ڈوڈو بھالو نے اپنے کان مزید دیوار سے قریب کرتے ہوئے خود کلامی کی۔ "ابا جان! ان شاء اللہ، وہاں ہماری دکان خوب ترقی کرے گی۔" ٹومو کے بچوں نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے کہا۔

ٹومو ایک محنتی چوہا تھا، جس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ وہ خرگوش میاں کے کھیت میں کام کرتا تھا، لیکن اسے اپنی محنت کا اچھا معاوضہ نہیں ملتا تھا، اس لیے کافی سوچ بچار کے بعد اس نے دوسرے جنگل جا کر کام کا ارادہ کیا۔ ڈوڈو بھالو ہر کسی کی ٹوہ میں رہتا تھا، اسے دوسروں کی باتیں سننے کا بہت شوق تھا۔ اس کے امی، ابو اسے اس بات سے روکتے تھے، لیکن اس کا تو کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا تھا جب تک کسی کا راز نہ جان لیتا۔ وہ کبھی زیبرے کی باتیں سنتا تو کبھی شیرو کی جاسوسی کرنے لگتا۔ بندر کے بچوں کی لڑائیاں سنتا اور خوب مزے لے کر سب کو سناتا۔

"مجھے ہر حال میں اس ٹومو کے بارے میں خرگوش میاں کو بتانا ہوگا۔" ڈوڈو نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ کچھ ہی دیر میں وہ خرگوش کے کھیت میں پہنچ گیا اور اسے ساری صورتِ حال بتائی۔ اس کی بات سُن کر خرگوش غصے سے بھڑک اٹھا اور ٹومو کے گھر کی طرف چل پڑا۔

"ارے ٹومو! تمھاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم میرا قرض واپس کیے بغیر ہی چپکے سے نکل جاؤ۔" خرگوش نے ٹومو کا گلا دباتے ہوئے کہا۔

"خرگوش میاں! آپ میری بات تو سنیں۔۔۔ میں نے تو کچھ دن بعد یہاں سے جانا ہے، لیکن آپ کا قرض آج ہی ادا کر دوں گا۔" ٹومو یہ کہہ کر سوچ میں پڑ گیا کہ خرگوش میاں کو کس نے خبر دی ہے، اس بات کا تو صرف اس کے بیوی بچوں کو علم تھا۔

"ہاں! بس آج شام تک مجھے قرض واپس کرو۔" خرگوش یہ کہتے ہوئے چلا گیا۔

"اتنی خوب صورت پینسل اسے کہاں سے ملی ہے؟" دوسرے دن ڈوڈو نے ہدہد کے ہاتھ میں پینسل دیکھ کر خود کلامی کی۔ "ہو سکتا ہے اس نے کسی کی چرائی ہو۔" اس نے شکی انداز سے سوچا۔

"خالہ! کیسی ہیں آپ؟" ہدہد کی امی کو سلام کرتے ہوئے اس نے اُن کا حال پوچھا۔

"ہاں بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ یہاں کیسے آنا ہوا؟" انھوں نے اس کی کھوجتی آنکھیں پڑھ لی تھیں۔

"دراصل مجھے ہدہد سے پینسل لینی ہے۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"ہدہد بیٹا! دیکھو ڈوڈو آیا ہے۔" انھوں نے کمرے میں ہوم ورک کرتے ہدہد کو آواز دی۔

"بھیّا! آپ شاید پینسل کا پوچھنے آئے ہیں۔ امی جان! یہ وہی پینسل دیکھنے آیا ہے جو ابو جان نے مجھے اپنے دوست سے منگوا کر دی ہے۔" ہدہد کی بات سُن کر ڈوڈو نے کان کھجائے۔ "یہ میرے دوستوں سے بھی پوچھ چکا ہے کہ اسے پینسل کہاں سے ملی ہے؟ کہیں اس نے چوری تو نہیں کی۔"

"ڈوڈو بیٹا! یہ پینسل تو ہدہد کو اس کے ابو جان نے منگوا کر دی تھی۔" ان کی بات سن کر وہ شرمندہ سا وہاں سے نکل آیا۔

"راجو! تم ابھی تک گھر نہیں گئے اور یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" ایک شام ڈوڈو گھر جا رہا تھا کہ اسے راجو ہاتھی دکھائی دیا۔

"کچھ نہیں ویسے ہی بیٹھا ہوں، ابھی چلا جاؤں گا۔" یہ کہہ کر راجو نے دوسری طرف منہ کر لیا۔ "دال میں ضرور کچھ کالا ہے! نہ بتاؤ، میں خود ہی معلوم کر لوں گا۔" ڈوڈو دل ہی دل میں کہتا وہاں سے چلا گیا، پھر ایسا ہی ہوا کہ ڈوڈو نے راجو کے ابو کی باتیں سُن لیں جو کہہ رہتے تھے: "راجو کے گھر واپس آنے کے لیے بس یہی شرط ہے کہ وہ اسکول جائے گا۔"

"یہ میرے کان۔۔۔ اتنے لمبے کیوں ہو رہے ہیں؟" ڈوڈو نے ڈرتے ڈرتے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اُف نہ بڑھو۔۔۔ سب میرا مذاق اُڑائیں گے۔" اپنے کانوں کی لمبائی دیکھ کر وہ چیخ اُٹھا۔

"ڈوڈو بیٹا! کیا ہوا ہے؟ کوئی خواب دیکھا ہے۔" اس کی امی بھاگ کر آئیں۔ ڈوڈو نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں اور روتے ہوئے اپنا خواب سنایا۔

"بیٹا! تمھیں کتنی بار منع کیا ہے کہ کسی کی باتیں نہ سنا کرو اور اب اللہ نے تمھیں خبر دار کیا ہے کہ اپنی اس بُری عادت سے باز آ جاؤ۔" امی کی بات سُن کر ڈوڈو رونے لگا اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے وعدہ کرنے لگا کہ وہ آئندہ نہ تو دوسروں کی جاسوسی کرے گا اور نہ ہی ان کا عیب تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔

بقیہ

عید کا جوڑا

تھا۔ دادی جان نے اپنا بقچہ کھول کر پیسے نکالے اور بڑی آپا کو دیتے ہوئے بولیں: "منّی کا ایک اور عید کا نیا جوڑا اس کی دادی کی طرف سے لا دو۔" منّی باجی پھر سے چہک گئیں، دادی جان کو خوب پیار کرنے لگیں۔ ہمارے گھر میں گہما گہمی چاند رات والے دن عروج پر تھی۔ بڑی آپا شیر خرما بنا رہی تھیں، منّی باجی استریاں کر رہی تھیں، امی منّی باجی کے دوپٹے پر ستارے لگا رہی تھیں اور دادی جان اپنے سفید دوپٹے پر کروشیہ مکمل کر رہی تھیں۔ خالہ خیرن اچانک آئیں تو پریشان اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔ وہ بہت اُداس تھیں۔ دادی جان کے اشارے پر امی نے انھیں ایک جوڑا دیا۔ "یہ خالہ آپ کا عید کا جوڑا ہے۔" خالہ خیرن کی آنکھیں بھیگ گئی۔ اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے۔ مریم نے خالہ خیرن سے سوٹ لیا اور بولی: "عید کا یہ میرا جوڑا ہے۔۔۔" دادی اور امی پریشان ہو گئیں۔ مریم کے بارے میں تو کسی نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اچانک منّی باجی اٹھیں اور بولیں: "ٹھہرو مریم! میں آپ کے کپڑے لاتی ہوں۔" وہ کمرے میں گئیں اور جب باہر آئیں تو سب حیران تھے۔ نیلے رنگ کی ستاروں والی میکسی۔۔۔ منّی باجی نے جانے کب سی تھی۔ مریم بہت خوش تھی۔ منّی باجی نے تو کمال کر دیا تھا۔ اپنے کٹے ہوئے سوٹ میں سے مریم کے لیے عید کے کپڑے بنا دیے تھے، چھوٹے سے دوپٹے پر ستارے بھی ٹانک دیے تھے۔ صحن میں مریم دوپٹہ اوڑھے پھر رہی تھی، خالہ خیرن ان کو بہت دعائیں دے رہی تھیں اور منّی باجی کو سب شاباش دے رہے تھے۔ عید کا لطف ہمیں تو چاند رات کو ملا۔

مشکل الفاظ و معانی

گُرگابی	جوتی
صندوقچی	چھوٹی سی صندوق
بقچہ	چھوٹا صندوق
عُجلت	جلدی
مشق	بار بار کرنا، کام دہرانا
ہتھیلی پر سرسوں جمانا	محاورہ جلدی کرنا

مشکل الفاظ و معانی

میکسی	لمبی قمیص
شیر خرما	میٹھی سویاں دودھ میں پکائی جاتی ہیں
بَڑھیا	قیمتی
چسکا	مزہ

بچوں کے فن پارے

ریان مجید، پریپ، 8 سال فیصل آباد

زوہا عرفان ساڑھے چھ سال، لاہور

عبد المعیز سوم، 8سال، باندھی

عبد السلام 11سال فیصل آباد

عنبر عروج، چہارم، 10 سال، شنکیاری مانسہرہ

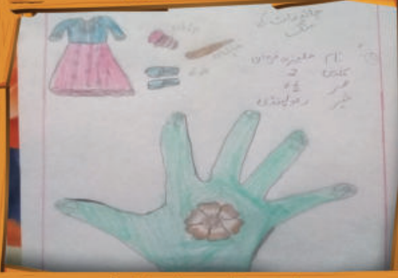

علیزہ فرحان، ساڑھے 6 سال، راول پنڈی

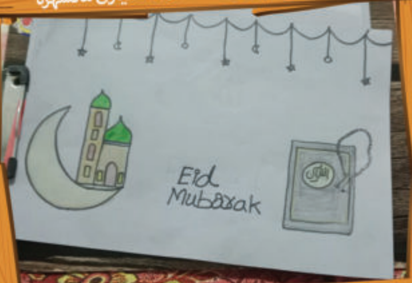

فائزہ فاطمہ، چہارم، باندھی

عیشہ فاطمہ، ہفتم، 12سال، باندھی

مناہل رشید 13 سال، راول پنڈی

محمد خزیمہ۔12 سال شنکیاری

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ لاہور سے انس عبد اللہ کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انھیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچو!!

عید خوشیوں کا دن ہے، رَمضان کی برکتوں کا انعام ہے، لیکن یاد رکھیں کہ رَمضان کے بعد بھی نیکیاں اور اچھے اعمال جاری رکھنا ضروری ہے۔ جیسے رَمضان میں ہم نے نمازیں پابندی سے ادا کیں، روزے رکھے، صدقہ دیا اور دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا، ویسے ہی عید کے بعد بھی اللہ کو خوش کرنے والے کام کرتے رہنا ہے۔

لڑکے باجماعت اور لڑکیاں گھر میں نماز کا اہتمام کریں گے، تلاوتِ قرآن پاک کا ناغہ نہیں کریں گے۔

چھوٹے بڑے سب نیک اعمال کی پابندی کریں گے جیسے: ذکر، بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے پیار، دوسروں کی مدد، سلام اور مسکراہٹ کا اہتمام اب سارا سال کرنا ہے۔ یہ سب نیک کام ان شاءاللہ ہماری زندگی کو کامیاب اور خوبصورت بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ سب کو عید مبارک!

ماہنامہ فہم دین اپریل 2025ء کے سوالات

سوال 1: زرمل کیوں خوش تھی؟

سوال 2: رزق کی تقسیم کس چیز کا دروازہ ہے؟

سوال 3: افنان اور نادیہ کے روزے کے لیے کون سا دن منتخب ہوا؟

سوال 4: رَمضان کے آخری عشرے سے کیا مراد ہے؟

سوال 5: علی کو اپنے لیے کون سا انعام چاہیے تھا؟

فروری 2025ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: سفید پھول

جواب 2: لیپ ٹاپ

جواب 3: نعمان

جواب 4: مہینے کی بیس تاریخ کو

جواب 5: ہارون

مارچ 2025ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: عقاب نے

جواب 2: بہت بڑا سائبر کرائم ونگ پکڑا گیا

جواب 3: مٹی کے گھڑے بناتا تھا؟

جواب 4: قدسیہ کا

جواب 5: معلوم ہو جانا

فروری 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر باندھی (سندھ) سے

عبدالمعز

کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

مارچ 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر گجرات سے

علی حسن

کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجنا ہوں یا فن پارہ، اپنا نام، عمر، کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ بھیجنے کے لیے ای میل اور وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں:

tabeer1387@gmail.com

+923351135011

بلاعنوان کا عنوان

فروری 2025 کے ماہنامہ فہم دین میں خرم فاروق ضیا کی کہانی بلاعنوان شائع ہوئی تھی، اس کہانی کو عنوان دینے کی مہم میں متعدد قارئین نے حصہ لیا کراچی سے اسما ظفر کا عنوان بہترین قرار پایا، انھیں انعام مبارک ہو، ان کا عنوان تھا: درست فیصلہ

مارچ 2025 کے ماہنامہ فہم دین میں بنت مسعود احمد کی کہانی بلاعنوان شائع ہوئی تھی، اس کہانی کو عنوان دینے کی مہم میں 12 قارئین نے حصہ لیا، حیدرآباد سے شمائلہ شکیل کا عنوان بہترین قرار پایا، ان کا عنوان تھا: سوچ کے دروازے پر دستک

یہی شانِ اخوت ہے مدد کا ہاتھ دینا ہے

حافظہ سویرا چودھری

یہ نبیوں کی زمیں ہے نا، پھر اس کو عام کیوں سمجھیں؟
لڑیں گے اس کی خاطر ہم، اسے بے نام کیوں سمجھیں؟

یہاں پر انبیا گزرے، یہیں جبریل آئے تھے
وہی جبریل جو آقا پہ قرآں کو بھی لائے تھے

مگر اس پاک دھرتی پر بھی اب چھائی سیاہی ہے
یہاں باطل نے چاروں سمت پھیلائی تباہی ہے

اگر ہم دور تک دیکھیں فقط ملبہ ہی ملبہ ہے
مقدس سرزمیں پر خون اور اشکوں کا غلبہ ہے

عدو نے حرمتِ اقصیٰ کو ہے پامال کر ڈالا
گھرانے کتنے ایسے ہیں جنھیں بے حال کر ڈالا

یہاں وہ ماں بھی زندہ ہے کہ جس نے لال کھویا ہے
یہاں پر باپ بھی اپنے جواں بیٹے پہ رویا ہے

یہاں بکھرے کھلونے ہیں یہاں آنگن بھی خالی ہیں
کہاں کو چل دیے بچے؟ یہ جھولے بھی سوالی ہیں

یہ بچوں کی جو خوشیاں تھیں، کہ ساری کھو گئی ہیں وہ
یہ ننھی سی جو پریاں تھیں کہ جلدی سو گئی ہیں وہ

فلسطیں کو یہ ظالم نے جو بے توقیر جانا ہے
ہے آخر کس گماں میں، جو اسے تسخیر مانا ہے؟

یہ نبیوں کی زمیں ہے نا، پھر اس کو عام کیوں سمجھیں؟
بہا ہے اس کی خاطر جو، لہو وہ خام کیوں سمجھیں؟

اسی سرخی نے ہے اس قوم کی ہمت کو منوایا
کہ یحییٰ اور ہنیہ نے بھی تن اپنا ہے کٹوایا

نہیں یہ وقت اب ایسا کہ وعدوں کو بُھلا بیٹھیں
نگاہوں کو چرا لیں اور ضمیروں کو سلا بیٹھیں

غزہ والوں کا ہم کو لازماً اب ساتھ دینا ہے
یہی شانِ اخوت ہے مدد کا ہاتھ دینا ہے

درودیوار جتنے ہیں، یہاں مل کر اٹھانے ہیں
مساجد اور مدارس بھی ہمیں پھر سے بسانے ہیں

جو روتے اور تڑپتے ہیں انہیں ہنسنا سکھانا ہے
شجر زیتون کا ہم کو دوبارہ سے لگانا ہے

ہمیں مرہم کی صورت اُن کے سارے زخم بھرنے ہیں
ہمارے ایک ہونے سے ہی دن اُن کے سنورنے ہیں

وہ آنکھیں منتظر ہوں گی، اُنہیں فوراً ضرورت ہے
یہی عیدی ہے مسلم کی، یہی غیرت کی صورت ہے

مبارک یہ زمیں بھی دیکھنا پھر سے حسیں ہو گی
یہ مہکے گی سویرا اور بہت ہی دل نشیں ہو گی

یہی زخمی بدن وسطی نیا عنوان لکھے گا

حافظ وسطی چودھری

غزہ کے جسم پر دیکھو تو، کتنے زخم آئے ہیں
بہت سے تیر اس نے اپنے سینے پر ہی کھائے ہیں

اگرچہ روز ہی اِس پر، نئی آئی قیامت ہے
لہو سے تربتر ہے، حوصلہ پھر بھی سلامت ہے

عدو کے وار سہہ کر بھی نہیں سر کو جھکایا ہے
جما کر اپنے قدموں کو، انہیں ڈٹ کر دکھایا ہے

جلے ہیں ہاتھ بھی اِس کے، کٹے اعضا بھی کتنے ہیں
ہوئے چھلنی ہیں سارے ہی، بدن کے حصے جتنے ہیں

بصارت پر اثر آیا، بہت جھلسا یہ چہرہ ہے
ذرا دیکھو تو ماتھے پر بھی گھاؤ کتنا گہرا ہے

یہی زخمی بدن تو اب، نیا عنوان لکھے گا
غزہ دنیا کے نقشے پر نئی پہچان لکھے گا

رکھیں گے یاد بھی دشمن، یہ ایسے اٹھ کھڑا ہوگا
خبر ہوگی نہ کچھ اُس کو، وہ منہ کے بل پڑا ہوگا

غزہ کی آنکھ میں امید اب جگنو سجاتی ہے
سماعت میں بھی اچھے وقت کی آہٹ ہی آتی ہے

مسیحا ہم کو بن کے ہی سہارا بھی تو دینا ہے
اسے گرنے سے پہلے ہی ہمیشہ تھام لینا ہے

یہ جو اجڑا ہوا چہرہ ہے اک دن مسکرائے گا
جبیں پر اس کے سورج بھی خوشی کا جگمگائے گا

یہی مجروح بازو پھر سے بنیادیں اٹھائیں گے
لگے گا وقت لیکن زخم آخر بھر ہی جائیں گے

یہی زخمی بدن وسطی، نیا عنوان لکھے گا
غزہ دنیا کے نقشے پر نئی پہچان لکھے گا

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

زہے ذکرِ انوارِ شاہِ مدینہ
اندھیروں کو آنے لگا ہے پسینہ

نہ ڈوبے گا طوفان میں وہ سفینہ
ہوں خود ناخدا جس کے شاہِ مدینہ

محمد کا مسکن، مسلمان کا سینہ
مدینے سے ہٹ کر بھی ہے اک مدینہ

محبت سے معمور ہے جس کا سینہ
اُمید اس نے گھر بیٹھے دیکھا مدینہ

درِ مصطفیٰ ﷺ سے جو مانگو، ملے گا
مگر چاہیے مانگنے کا قرینہ

رہِ حق میں جو وار دیں جان اپنی
خدا کی قسم ان کا مرنا ہے، جینا

اسے اور کیا چاہیے زندگی میں
ملے جس کو حبِّ نبی کا قرینہ

دلوں کا وظیفہ، نگاہوں کی منزل
محمد ﷺ محمد ﷺ، مدینہ مدینہ

اُمید اہلِ دل راز یہ جانتے ہیں
مدینہ ہے عرشِ الٰہی کا زینہ

شاعر: اُمید فاضلی

حمدِ باری تعالیٰ

وہی ابتدا کا خالق، وہی مالک انتہا کا
یہ جہاں بھی ہے خُدا کا وہ جہاں بھی ہے خُدا کا

ترے فیض کے سمندر ہیں قدم قدم پہ جاری
کرے کیا کوئی احاطہ، مرے ربّ تری عطا کا

یہ پہاڑ، دشت و دریا، یہ فلک، یہ جن و انساں
رہے کوئی بھی نہ باقی جو کرم نہ ہو خدا کا

ہے اس کے دستِ قدرت میں بدلنا فطرتوں کا
ہو وہ آگ کی جبلت کہ مزاج ہو ہوا کا

یہ شجر، حجر، سمندر، حسین مہر و ماہ و اختر
ہیں اسی کے سب ثنا گر وہ جو ربّ ہے مصطفٰے کا

وہ ہے کون، دے رہا ہے جو نویدِ زندگانی
تُو اگر نہیں ہے حاصل مرے قلب کی صدا کا

یہ شعور مجھ کو بخشا ہے کتابِ حق نے جوہرؔ
مجھے آگیا سلیقہ میرے ربّ تیری ثنا کا

شاعر: محمد نعیم الرحمٰن جوہرؔ

ناخن کی صفائی

دانتوں کی صفائی کی طرح ناخنوں کی صفائی بھی بہت ضروری ہے۔ اگر ناخن کاٹے نہ جائیں تو ناخنوں کی جڑ میں میل جمع ہوتا رہتا ہے اور یہ میل زہریلے مادّے سے کم نہیں ہوتا۔ غذا میں شامل ہو کر معدے میں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتا ہے۔ زہر کی آمیزش سے حفاظت کے لیے ناخنوں کی صفائی از حد ضروری ہے۔ ناخن جیسے ہی کچھ بڑھیں انھیں کاٹ دیا جائے اور ان کی جڑوں کو میل سے بالکل صاف رکھا جائے۔ بچے کی شیر خوارگی کی عمر ہی سے اس کا اہتمام کیا جائے، تاکہ بچہ اس کا عادی بن جائے۔ شیر خوارگی میں بھی بچے کے ناخن نہ بڑھنے دیے جائیں، کیوں کہ بچے ان بڑھے ہوئے ناخن سے اپنے یا دوسروں کے جسم کے کسی بھی حصے کو مخدوش کر سکتے ہیں۔ دانتوں کی طرح ناخن صاف نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے بھی بچے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

(مثالی باپ، محمد حنیف عبدالمجید، ص: 313)

اتّباعِ سنّت

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دنیا و آخرت کی جُملہ کام یابیوں کا مدار اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق بجالانے میں ہے اور حضور علیہ السّلام کا اسوۂ حسنہ جو تا قیامت قابلِ عمل ہے، اس کو سنّت بھی کہا جا سکتا ہے۔ سنّت کی اہمیت کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں۔

سکونِ قلب کے لیے اتّباعِ سنّت کو وہی اہمیت حاصل ہے جو جسمِ انسانی میں ریڑھ کی ہڈی کو ہے، یہی وجہ ہے کہ متقدمین حضراتِ صوفیا سے لے کر موجودہ دور کے اہلِ اللہ بھی جس نکتہ پر زیادہ محنت کرواتے ہیں، وہ یہی ہے کہ سالک کی پوری زندگی سنّت کے حسین لباس سے مزیّن ہو جائے۔ اسی لیے اتّباعِ سنّت کا ذوق و شوق بڑھانے کے لیے اپنے اکابر بزرگان و مشائخ کے سنّت کی اہمیت سے متعلّق صرف چند ملفوظات پر اکتفا کیا ہے، تاکہ ہر مسلمان ذوق و شوق کے ساتھ اس مبارک چیز کو حرزِ جان بنانے کی کوشش کرے اور اپنی دنیا و آخرت کو پُر سکون اور خوش گوار بنائے۔

(سکونِ قلب، مجموعہ افادات، ص: 216)

اپنے اعمال پر نظر مت کرو

لہٰذا یہ عید کا دن جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا اور اس دن میں عید کی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، یہ زندگی کے اندر انقلاب لانے والا واقعہ ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان شاء اللہ سب کی مغفرت فرما دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید رکھنی چاہیے۔ ہمارے دلوں میں یہ جو خیالات آتے ہیں کہ ہم نے بے شک عبادت تو کر لی، لیکن اس عبادت کا حق تو ادا نہ ہو سکا، کیا ہمارے روزے، کیا ہماری نمازیں، کیا ہماری تلاوت، کیا ہمارا ذکر و تسبیح، نہ اس میں خشوع و خضوع ہے، نہ اس میں آداب کی رعایت ہے، نہ اس میں شرائط پوری ہیں، لہٰذا ان عبادات کے نتیجے میں کیسے یہ اُمید باندھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان عبادات کو قبول کر کے ہماری مغفرت فرما دی ہو گی۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج: 12، ص: 95)

پَروالا گھوڑا

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک تھیں، جن کے کانوں نے کفر و شرک کی آواز تک نہیں سنی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بچپن حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت باپ کے زیرِ سایہ بسر ہوا ہے۔ ایامِ طفولیت ہی سے وہ عام بچوں سے ممتاز تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بے حد ذہین تھیں۔ ان کو اپنے بچپن کے ایام کی تمام باتیں یاد تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی دوسری صحابیہ یا صحابی کی یادداشت اتنی اچھی نہ تھی کہ جتنی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کی کنیت ابو القیس تھی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کے زمانے ہی کی بات ہے کہ ایک مرتبہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لے آئے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں میں ایک پَردار گھوڑا بھی تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پوچھا کہ ”اے عائشہ! یہ کیا ہے؟“ انھوں نے جواب دیا کہ ”یہ گھوڑا ہے۔“ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: ”گھوڑوں کے پَر نہیں ہوتے۔“ انھوں نے بے ساختہ جواب دیا: کیوں یارسول اللہ ﷺ! حضرت سلیمان علیہ السّلام کے گھوڑوں کے بھی پَر تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس بے ساختہ جواب سے بہت محظوظ ہوئے اور مسکرائے۔

(ازواجِ مطہرات، حافظ حقانی میاں، ص: 86)

پہلے جشنِ آزادی پر پاکستان میں پرچم کشائی

27 رمضان المبارک، 1367ھ کی شب میں گویا نزولِ قرآن کی سالگرہ کے وقت 14 اگست 1947 کو پاکستان کا اقتدار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیا اور پاکستان سب سے بڑی مسلم ریاست بن کر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا۔ اس روز پاکستان میں سب سے پہلا جشنِ آزادی منایا جانے والا تھا، اس میں شرکت کے لیے دیوبند سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحب کو بھی مدعو کیا گیا، لیکن حضرت شفیع عثمانی شدید علالت کے باعث سفر نہ فرما سکے۔ حضرت شیخ الاسلام کراچی تشریف لے آئے اور قائدِ اعظم کی خواہش پر اس تقریب میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم آپ ہی نے اپنے دستِ مبارک سے بلند فرمایا۔ اُدھر مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے انجام دی۔

(حیاتِ مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی، ص: 146)

قرآن سننے کے فضائل

قرآن شریف پڑھنے کے فضائل تو ہیں ہی بے حد، اس کے سننے کے فضائل بھی متعدّد روایات میں آئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو گی کہ سیّد المرسلین ﷺ کو بھی ایسی مجلس میں شرکت کا حکم ہوا ہے، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔ ارشاد فرمایا کہ ”مجھے قرآن شریف سنائیں۔“ میں نے عرض کیا: ”حضور ﷺ پر تو خود نازل ہوا ہے حضور ﷺ کو کیا سناؤں۔“ ارشاد ہوا کہ ”میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔“ اس کے بعد انھوں نے سورۂ نساء سے سنایا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک مرتبہ سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ کلام مجید پڑھ رہے تھے کہ حضور ﷺ دیر تک کھڑے ہوئے سنتے رہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن شریف سنا تو تعریف فرمائی۔ ان روایات سے قرآن مجید سننے کی فضیلت اور اس کا ثواب معلوم ہوتا ہے۔

(تحفہ رمضان، مولانا اشرف علی تھانویؒ، ص: 93)

اشعار

کہہ دو! دنیائے سیاست کے صنم خانوں سے
چھیڑ اچھی نہیں اللہ کے دیوانوں سے
اختر شیرانی

کُھلتا کسی پہ کیوں مِرے دل کا مُعاملہ
شعروں کے اِنتخاب نے رُسوا کیا مجھے
غالبؔ

نالۂ آخرِ شب کس کو سناؤں ناصرؔ
نیند پیاری ہے مرے دور کے فنکاروں کو
ناصر کاظمی

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں
اکبر الہ آبادی

جناب کیفؔ یہ دلّی ہے میرؔ و غالبؔ کی
یہاں کسی کی طرف داریاں نہیں چلتیں
کیف بھوپالی

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی
میر تقی میر

روِش روِش پہ خزاں کے نقیب ہیں یارو!
چمن بچاؤ، غمِ آشیاں کا وقت نہیں
زکی کیفی

تم سے کس نے کہا دُعا نہ کرو
ہاں! دُعا پر اکتفا نہ کرو
خالد اقبال تائبؔ

مشت برابر جیون اندر، جنم جنم کے روگ
جانے کیسے جیتے ہوں گے، سُکھ کے اندر لوگ
زین شکیل

مفہوم نیا دینے لگے لفظ پرانے
لفظوں کے بڑھاپے کو جواں کر دیا میں نے
قتیلؔ شفائی

رمضان المبارک میں سفید پوش گھرانوں کے لیے

بیت السلام کی بیش بہا خدمت

رپورٹ: خالد معین

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ یوں تو پورے سال موقع بموقع لاکھوں افراد کی خدمت کسی نہ کسی شکل میں کر رہا ہوتا ہے، لیکن رمضان المبارک میں اہل خیر کے تعاون سے خدمت کا یہ جذبہ بہت زیادہ اور دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ اس سال 1446ھ 2025ء میں بھی خدمت کا یہ وسیع سلسلہ جاری رکھا گیا، کچھ جھلکیاں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

سحری افطاری: سابقہ سالوں کی طرح اس بار بھی ہزاروں افراد کے لیے سحری افطاری کے انتظامات کیے گئے۔

تحفہ رمضان: رمضان میں راشن فراہمی کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، بلا مبالغہ لاکھوں افراد اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ مستعد افراد پر مشتمل ایک ٹیم رمضان سے کئی ماہ پہلے راشن فراہمی کے انتظامات شروع کر دیتی ہے، تا کہ بروقت ہر چیز تیار مل سکے۔

لباس جوتے وغیرہ: ہر سال ہزاروں افراد کو لباس اور جوتوں کا ہدیہ دیا جاتا ہے، اس سال بھی یہ سلسلہ جاری ہے، خاص طور پر یتیم بچوں کے لیے کپڑوں اور جوتوں کے ساتھ ساتھ ان کی پسند کے مطابق کھلونے اور چشمے وغیرہ بھی ان کی عیدی کا حصہ بنائے گئے ہیں۔

گوشت فراہمی: بقر عید کے موقع پر ملک بھر میں وقف اجتماعی قربانی کے ذریعے لاکھوں افراد تک گوشت پہنچانے کے انتظامات تو ہوتے ہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سال کے باقی دنوں میں بھی اہلِ خیر اپنے صدقات کے ساتھ ساتھ عقیقے کا گوشت بھی وقف کر دیتے ہیں، جس سے ہزاروں افراد کے لیے گوشت کے ہدیے کا سامان ہو جاتا ہے، رمضان المبارک میں یہ اہتمام مزید بڑھ جاتا ہے۔

پکا پکایا کھانا: الحمد للہ سال کے باقی دنوں سے بڑھ کے رمضان المبارک میں ہزاروں افراد کے لیے پکے پکائے کھانے کی تقسیم کے بھی انتظامات کیے گئے۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائریکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

J.
FRAGRANCES
DISCOVER YOUR
Scent
DISCOVERY SET FOR MEN
JANAN
JANAN SPORT
JANAN PLATINUM
zarar
zarar BLEU
J.
WASIM AKRAM 502
DEFENDER
XPOSE
1947
LEGACY
DISCOVERY SET
FOR MEN
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances & Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed